

محفوظ طپناہ

ماہنامہ
مسلمان بچے
تجربہ کے اسلامی و اخلاقی ادب کا بیجاں
188
لاہور پاکستان
www.musalmambachay.com

شکوال ۱۴۴۴ھ / مئی ۲۰۲۳

ترقیات اللہ متناہ منکم صالح الاعمال

عید الفطر مبارک

کلمہ عام و انتہائی پیرو

یوم الشکر

سلطان ٹیپو شہید، بوجھ بھکڑ
اور دیگر مستقل سلسلوں
سے زین رنگارنگ شمارہ

عید الفطر کے موقع پر خصوصی تحریر

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ
مُسلمان بچے
لاہور
پاکستان

بچوں کے

اسلامی اخلاقی تعلیمی
تربیتی ادب ترجمان

بچے تو سمجھ میں ہوتے اچھے
مگر سب سے اچھے سلامتی

شوال ۱۴۴۴ھ بمطابق مئی ۲۰۲۳ء

جلد: 16

شمارہ: 10

قیمت فی شمارہ: 60 روپے

سالانہ تعاون = 720 روپے

اپنی کہانیاں مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

تربیتی رقم اور حصول رسالہ کیلئے:

37- حق سٹریٹ
اردو بازار - لاہور

موبائل: 0322-5140485

مکتبۃ ابن مبارک

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس سہ ماہی میں



15	سیدہ ناجیہ شعیب	یوم الشکر
19	تسلیمہ موسیٰ	انعام
28	حمیرا علیم	عید کی خوشی
41	زید احمد زیدی	فرشتہ صفت
44	عبدالمجید شاکر	دگنی عیدی
47	محمد ارقم	خواہش
50	زنیرہ جمیل	واردات
57	رمشاء خان	دوست
61	میمونہ ارم	جگنو کی مدد
69	عبدالحفیظ امیر پوری	سلطان ٹیپو شہید
79	محمد مقصود شہید	غازی
84	رابعہ طاہر	روشن چراغ
87	مجاہد بن محمد اربابی	وہ کون تھے
89	انعم رؤف	عید کی حقیقی خوشی

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔۔

عہد باری تعالیٰ

کون سا حرف لکھوں کون سا لہجہ برٹوں
 ٹو کہ مولا ہے ترے ذکر میں کیا کیا برٹوں
 میرے ماتھے پہ عرق آجِ بدامت کا سہی
 میں تو بے سائے کی رحمت ہی کا سایہ برٹوں
 ہیں شجرِ رقص کناں، بادِ ثنا خوان تری
 بے خودی ایسی بڑھی ہے کہ میں سجدہ برتوں
 نامِ حسرت کے لبوں پر ہو ترا شام و سحر
 بن ترے ذکر نہ میں ایک بھی لمحہ برٹوں



فرمان باری تعالیٰ

اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی
 فرمانبرداری کرے گا اور نیک کام کرے گا تو ہم
 اسے اس کا دہرا اجر دیں گے
 اور ہم نے اس کے لیے عزت کا رزق بھی تیار
 کر رکھا ہے۔
 (الاحزاب)

(انتخاب: حمزہ نعیم)

نعتِ رسول مقبول ﷺ

میں کبھی آقا کی رفعت کبھی عظمت لکھوں
 مُلکِ دارین پہ ان کی ہی حکومت لکھوں
 کس لیے خوف کروں حشر کے دن کا اے دل
 دل کی دنیا پہ اگر ان کی شفاعت لکھوں
 مجھ کو اعزاز یہ حاصل ہے کہ مدحت ہی کہوں
 اس کو سرکارِ مدینہ کی عنایت لکھوں
 کوئی خالی نہ گیا در سے کبھی بھی سائل !!!
 اس کو دربارِ رسالت کی سخاوت لکھوں
 گر ملے نعت کی توفیق خدا سے زاہد
 میں شامل کا بیاں، سیرت و صورت لکھوں

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کے
 دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب
 دینا، بیمار ہو تو اس کو جا کر پوچھنا، اس کے جنازے
 کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینک کا جواب
 دینا۔ (بخاری)





ایک دعایا کیجئے

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

ترجمہ: ”اے اللہ! پاک ہے تیری ذات اور تمام تعریفات تیرے لئے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔“

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ أَطْلَقَ كُلَّ أَسِيرٍ وَأَعْطَى كُلَّ سَائِلٍ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا رسول اللہ ﷺ ہر قیدی کو رہا کر دیتے اور ہر مانگنے والے کو عطا فرماتے تھے۔



عید آئی ہے

دلوں میں پیار جگانے کو عید آئی ہے

ہنسو کہ ہنسنے ہنسانے کو عید آئی ہے

مسرتوں کے خزانے دیئے خدا نے ہمیں

ترانے شکر کے گانے کو عید آئی ہے

مہک اٹھی ہے فضا پیرہن کی خوشبو سے

چمن دلوں کا کھلانے کو عید آئی ہے

خوشا کہ شیر و شکر ہو گئے گلے مل کر

خلوص دل ہی دکھانے کو عید آئی ہے

اٹھا دو دوستو اس دشمنی کو محفل سے

شکایتوں کے بھلانے کو عید آئی ہے

کیا تھا عہد کہ خوشیاں جہاں میں بانٹیں گے

اسی طلب کے نبھانے کو عید آئی ہے

تقبل اللہ منا ومنکم صالح الاعمال کل عام وانتم بخیر
”عید مبارک“

اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی خیرات و برکات سے سب کو مالا مال فرمائے اور عید کو حقیقی
خوشیوں والادن بنائے آمین۔

ہر قوم کے ہاں خوشی اور جشن کے کچھ دن مقرر ہوتے ہیں، عام طور پر ان ایام کا تعلق دنیوی
زندگی کے کچھ معاملات سے ہوتا ہے، مثلاً کسی موسم کی آمد، کسی فصل کی کاشت، بارش، برفباری وغیرہ
یا ان کی نسبت لوگوں کے اپنے گھڑے ہوئے باطل معبودوں اور خداؤں کی طرف ہوتی ہے۔
پھر خوشی اور جشن کا مفہوم ہر ایک کے ہاں بس ایک ہی ہے، موجِ مستی، عیش و طرب، ناچ گانا،
اچھل کود، غیر انسانی غیر اخلاقی حرکات اور گناہوں کی آزادی، دنیا بھر میں مختلف اقوام کی طرف
سے منائے جانے والے تہواروں کو دیکھ لیں ہر جگہ یہی رنگ نظر آئے گا۔

ہمارے لئے عید کی خوشی کا مفہوم ان میلوں ٹھیلوں سے بالکل جدا ہے۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کی
طرف سے مقرر فرمودہ ہیں۔ وحی کے ذریعے ان کا تعین کیا گیا ہے۔ دونوں عیدوں کا تعلق دنیوی
معاملات سے نہیں دو اہم ترین فرائض کی ادائیگی کی خوشی سے ہے۔ ایک عید کے روزے کی
ادائیگی مکمل ہونے پر اور دوسری حج کی تکمیل پر۔

یومِ جشن کی ابتداء کسی کھیل تماشے سے نہیں ”صدقہ“ اور ”نماز“ کی ادائیگی سے رکھی گئی۔ سارا دن
کرنے کے جو کام بتائے گئے ان تمام کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور آخرت کی کامیابی سے

ہے۔ اس طرح سمجھایا گیا کہ مومن کی خوشی اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا ہو جانے پر ہے۔ اس خوشی کو منانے کا اسلوب اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالانا ہے اور مومن کی خوشی عارضی اور فانی نہیں بلکہ باقی رہ جانے والا عمل ہے جو اصل زندگی کی خوشی کی صورت میں دوبارہ حاصل ہوگا۔

بس یہ ہم مسلمانوں کی عید ہے اور آپ کو سب کو عید مبارک۔

اچھے کپڑے پہنیں، اچھا کھانا کھائیں، گھوٹیں پھریں، اپنے بھولیوں کے ساتھ کھیلیں کودیں، عیدیاں وصول کریں!! بس یہ یاد رکھ کر کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ہر حال میں ان کے احکام کے پابند ہیں اس لئے خوشی ہو یا غم ہمارے لئے گناہوں کی ہرگز آزادی نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا محب جس
البرہان

ام محمد عبداللہ



”سکول کی پڑھائی سے گھبرا رہی ہو میری طرح سیکنڈ ایئر میں پہنچو گی تو پتہ چلے گا کالج کی پڑھائی کتنی سخت ہوتی ہے۔“ دانیال نے چھوٹی بہن پر رعب ڈالا۔

”اچھا تو بڑی اماں میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ آپ اتنی کمزور اور بوڑھی ہو چکی ہیں، نہیں رکھیں روزے۔“ دانیال ایک بار پھر بڑی اماں سے مخاطب تھا۔ بڑی اماں ان کی رشتہ دار نہ تھیں بلکہ ان کی دادی جان کی کوئی دیرینہ سہیلی تھیں۔ دادی جان کی وفات کے بعد چونکہ وہ گاؤں میں بالکل اکیلی رہ گئی تھیں اس لیے امی جان اصرار کر کے انہیں اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔

خاموش اور ہمدرد طبیعت کے باعث بچے

”بڑا مشکل کام ہے یہ روزے رکھنا۔ بڑی اماں آپ تو اب کافی بوڑھی ہو چکی ہیں۔ آپ کے لیے تو سہولت ہے نہ رکھا کریں روزے۔“ اپنی دھن میں بولتا دانیال بڑی اماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے قطعاً ناواقف تھا سونے پر سہاگہ اس کی چھوٹی بہن عاتکہ بھی گفتگو میں شامل ہو گئی تھی۔

”نمازیں پڑھنا بڑا آسان ہے ناں اور یہ رمضان میں تو محترمہ امی جان تراویح پڑھائے بغیر بھی نہیں چھوڑتیں۔ اتنی گرمی، لوڈ شیڈنگ سکول کی پڑھائی اور آف یہ رمضان۔“ عاتکہ نے منہ بنایا۔ اسے اس سال میٹرک کے بورڈ کے امتحانات دینا تھے۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ بھی جیسے پر لگا کر اڑا جا رہا تھا۔ روزہ، نماز، تراویح، ذکر، تلاوت اور پڑھائی۔ بچے خوب تھک چکے تھے۔

”اللہ جی! کل عید ہو جائے۔ میں تو جی بھر کر نیند پوری کروں گا۔“ یہ دانیال تھا۔

”اور میں ٹی وی پر عید شو دیکھوں گی“ عائکہ کا اپنا منصوبہ تھا۔

”دانیال، عائکہ!“ بڑی اماں نے بچوں کو پکارا۔ وہ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہی تھیں۔ آنکھیں نہایت سو جی ہوئی اور سرخ تھیں جیسے وہ بہت دیر روتی رہی ہوں۔ وہ حیرت سے ان کی جانب متوجہ ہوئے۔

”تم دونوں اس دن میری عید کا احوال پوچھ رہے تھے۔ میں بول کر تو شاید نہ بتا پاتی اس لیے اپنی نیچکن کی یادگار عید کی کہانی یہاں لکھ دی ہے تم دونوں پڑھ لو۔“ انہوں نے ایک ڈائری بچوں کی جانب بڑھائی۔

دانیال نے ڈائری ان کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے عائکہ کو مخاطب کیا۔

”آؤ! عائکہ! کمرے میں جا کر پڑھتے ہیں“

پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے

ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

عائکہ پڑھنے لگی تھی۔

”پیارے بچو!“

تمہیں 2023ء کی عید الفطر مبارک ہو۔

ان سے انسیت محسوس کرنے لگے تھے اور بے تکلفی سے ہر بات کہہ دیتے۔ وہ کبھی مسکرا دیتیں۔ کبھی کوئی مختصر سا جواب اور کبھی خاموش ہو جاتیں لیکن آج تو بچے باقاعدہ ان کے ساتھ روزوں سے متعلق بحث کرنے لگے تھے۔

”میرے روزے نہ رکھنے سے آپ دونوں کو کیا فائدہ ہوگا بھلا؟“ بلا خرا نہوں نے پوچھا۔

”ہمیں خوشی ہوگی کہ اتنی گرمی میں کوئی ٹھنڈا پانی پی رہا ہے۔“ عائکہ ہنسی۔

”ایسے نہیں کہتے۔ بس اب تو تھوڑے روزے رہ گئے ہیں پھر عید کی خوشی ملے گی تم دونوں کو اور پھر وہی کھانے پینے کی آزادی۔ روزے تو گئے چنے چند دنوں کی بات ہے۔“ بڑی اماں نے انہیں سمجھایا۔

”عید سے یاد آیا۔ میری چوڑیاں اور مہندی لانے والی ہے۔“ عائکہ بولی۔

”عید کا دن کتنا بورنگ ہوتا ہے نا! عائکہ!“ دانیال بہن سے مخاطب تھا۔

”بڑی اماں آپ چھوٹے ہوتے کیسے عید مناتی تھیں؟“ عائکہ اب بڑی اماں کی نیچکن کی عید کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔

بچے اپنی ترنگ میں بولے جا رہے تھے کہ ابا جان کی آمد نے انہیں خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ بڑی اماں کی آنکھوں سے چند آنسو بہہ کر ان کے سفید دوپٹے میں جذب ہو گئے تھے۔

میرے ذہن میں صرف ایک جملہ گونجنے لگا تھا ہمیں ہر قیمت پر پاکستان حاصل کرنا ہے۔ پاکستان۔ مجھے لگا جیسے تتلیوں، خوشبوؤں، پھولوں اور جگنوؤں کا کوئی دیس ہوگا، جہاں ہم بہن بھائی سکول جاسکیں گے۔ ابا اور بھائی جان اپنا کاروبار کر لیں گے۔ عید الاضحیٰ پر گائے قربان کر سکیں گے۔ میں خوش ہوگئی۔

اس روز 27 رمضان المبارک تھی۔ جمعۃ الوداع تھا۔ ابا امی کو بتا رہے تھے۔ اللہ کالاکھ لاکھ شکر ہے۔ پاکستان بن گیا ہے۔ لیکن انگریزوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ امرتسر جسے پاکستان کا حصہ بننا تھا ہندوستان میں رہ گیا ہے۔ ہمیں پاکستان کی طرف ہجرت کرنا ہوگی۔

یہ 18 اگست 1947 کی عید الفطر تھی۔ ہندوستانی مسلمانوں کو کلمہ گوئی اور مطالبہ پاکستان کے جرم کی پاداش میں سنگینوں پر اچھالا جا رہا تھا۔ مسلمان پیدل قافلوں اور سیشل ٹرینوں کے ذریعے پاک سرزمین کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آج گلی میں چوڑیاں بیچنے اور خریدنے والوں کی کوئی آواز نہیں تھی۔ 80 ہزار مسلمان خواتین کی عصمتوں کے لئے کے دلخراش مناظر جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ ہمیں آج نہ اپنے گوتے کناری والے کپڑوں کا ہوش تھا نہ نئے جوتوں کی فکر۔ نہ کہیں عید کارڈ تھے۔ نہ تحائف کا تبادلہ۔ نہ اماں کو میٹھی سویاں کھانے پکانے کا دھیان تھا، نہ

میرے ساتھ ماہ و سال کی الٹی گنتی گنوکہ ماضی میں سفر کرتے ہوئے میں تمہیں اپنے بچپن کی عیدوں کا احوال سناؤں۔

میں جب بچی تھی۔ میری اماں ہم بہنوں کے لیے خوبصورت گوتے کناری والے لباس تیار کرتیں۔ پورے سال میں ایک ہی مرتبہ تو ہمارے کپڑے بنایا کرتے تھے۔ ہم ہاتھ مہندی سے سجاتیں۔ غباروں اور کلیوں سے کھیلتیں۔ شیر خورمہ اور سویوں کا انتظار تو ہمیں رمضان بھر رہتا کہ ایسا اچھا کھانا ہمیں عید پر ہی میسر آتا تھا۔

ابا اور بھائی شیروانی اور ٹوپی پہنے تکبیریں پڑھتے عید گاہ جاتے لیکن پھر ایک روز ابا امی جان سے کہہ رہے تھے۔

حالات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کو کلمہ گوئی کی سخت سزا دی جا رہی ہے۔ مال عزت اولاد کچھ محفوظ نہیں مگر یقین جانو کیسا ہی کڑا وقت کیوں نہ آجائے اب ہمیں نہ انگریز کی غلامی منظور ہے نہ ہندو کی۔

ہمیں ہر قیمت پر پاکستان حاصل کرنا ہے۔ ہماری جان جاتی ہے جائے۔ مال جاتا ہے جائے لیکن ہماری آئندہ نسل کسی کی غلام نہ ہو۔ ان کی تعلیم پر پھرے نہ ہوں۔ ان پر کاروبار کے دروازے بند نہ ہوں۔ ان پر اسلامی شعائر پر عمل کرنے کی پابندی نہ ہو۔

ابا امی جان کو کچھ اور بھی بتا رہے تھے مگر

ہوئی تھیں۔ یہ عید کہاں تھی۔ یہ تو ہولی کا تہوار تھا جس میں خون مسلم سے دل کھول کر ہولی کھیلی جا رہی تھی۔

میرے ماموں جو جالندھر میں رہتے تھے۔ وہاں کے دیگر ہزاروں مسلمانوں کے ہمراہ عید کی نماز ادا کرنے عید گاہ میں جمع تھے اور ابھی پہلی رکعت میں سجدہ ریز ہوئے ہی تھے کہ ہندوؤں، سکھوں نے تلواروں، گنڈاسوں، برچھیوں اور بندوقوں سے مسلح ہو کر ان پر حملہ کر دیا اور ان واحد میں عید گاہ مسلمانوں کے مقتل میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد سکھانند ڈپٹی کمشنر کی سربراہی میں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق فرقہ پرست ہندو اور سکھ مسلمان گھرانوں کی پردہ نشین عورتوں کو گھسیٹ کر عید گاہ تک لے آئے۔

ان کے لباس تار تار کر دیئے گئے اور بھالوں کی نوک چھو چھو کر انہیں حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے اپنے شوہر، بھائی، بیٹے اور باپ کو عید مبارک کہیں۔ غم اور حیا کی ماری برہنہ دختران اسلام جب سمٹنے لگتیں تو وحشی درندے انہیں بھالوں سے چر کے اور کچو کے لگا کر قبضے لگاتے۔

میرے ماموں کے گھر کی تمام خواتین یہاں بیدردی سے شہید کر دی گئیں۔

میرا پورا خاندان آئندہ مسلمان نسل کو آزادی دلانے کے لیے شہید ہو چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کسی فرشتہ سیرت بابا جی نے اپنی شہید بچی کی جگہ مجھے

ہمیں عیدی مانگنے کا ہوش۔ اس انوکھی عید پر مکانات جل رہے تھے۔ معصوم بچے برچھوں پر اچھالے جا رہے تھے۔

ہمارے محلے کی خوبصورت مسجد شہید ہو چکی تھی۔ شاہراہوں پر مسلمانوں کی بے یارو مددگار لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ کوئی ان کو نہلانے، کفنانے، دفنانے اور اٹھانے والا نہیں تھا۔ سکھ درندے مسلمان دوشیزاؤں کی عصمت دری کے لیے دنداناتے پھر رہے تھے۔ میری غیرت مند آپنی نے ”لا الہ الا اللہ“ پڑھ کر مسجد کے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اس کی کنوئیں میں تیرتی نعش میری نگاہوں میں جیسے آج بھی تیر رہی ہے۔“

صفحے پر جا بجا آنسوؤں کے دھبے تھے۔ عائدہ کی آواز بھی لرز رہی تھی۔ دانیال منہ کھولے جیسے بت بن چکا تھا۔

”اسلامیان امرتسر اپنی ماؤں، بہنوں، اور بہو بیٹیوں کو ہندو سکھ غنڈوں کی ہولناک نظروں سے بچاتے پاکستان کا رخ کر رہے تھے۔ عید کے روز میری بجیا جن کے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی کی سرخیاں رچی ہوتی تھیں آج وہی ہاتھ پاؤں چچا اور بھیا کے خون سے تر ہو رہے تھے۔ امرتسر اور لاہور کی درمیانی جرنیلی سڑک پر سکھ وحشیوں کے مشتعل ہجوم مسلمانوں پر اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔ امرتسر ریلوے سٹیشن کے تمام پلیٹ فارم اور پٹریاں مسلمانوں کے خون میں نہائی

تمہارا دشمن شرک و الحاد کی یلغار لیے چہار
جانب سے حملہ آور ہے تم غفلت میں کیسے جی سکتے
ہو۔“ دانیال اٹک اٹک کر پڑھ رہا تھا۔

قیام پاکستان کا مقصد اور اس کے لیے دی
جانے والی قربانیاں پڑھ کر ان کے دل جیسے
تڑپ اٹھے تھے۔

تقاضے ہم سے مستقبل کے پورے کس طرح
ہوں گے۔ ابھی ماضی کا بھی ہم نے بہت سا
قرض چکانا ہے۔

”بڑی اماں پاکستان ”لا الہ الا اللہ“ کے نام
پر قائم ہوا۔ یہ کلمہ رہتی دنیا تک سر بلند رہے گا اور
ہمارا پاکستان بھی۔ ان شاء اللہ“ دانیال اور عائکہ
بڑی اماں کے قدموں میں بیٹھے تھے۔
”بڑی اماں! میں یہ عید سو کر نہیں گزاروں
گا۔“

”میں یہ عید ٹی وی اور نیٹ پر لغو پروگرام
دیکھ کر نہ گزاروں گی کہ یہ عید شہیدان تحریک
پاکستان کو خراج تحسین پیش کرنے کی عید ہوگی۔ یہ
عید تجدید عہد و وفا کی عید ہوگی۔ یہ عید پاکستان میں
پیام لا الہ الا اللہ کو دلوں میں اتارنے کی عید ہوگی۔
ان شاء اللہ“

بڑی اماں نے محبت سے بچوں پر نگاہ ڈالی
اور شفقت سے ان کے سروں پر اپنے ہاتھ رکھ
دئیے۔



سمجھتے ہوئے اپنے ساتھ ٹرین میں سوار کروایا۔
ہمارے ساتھ ہندوستان سے لاہور آنے والی ایک
مال گاڑی کے ڈبے میں مسلمان عورتوں کی کٹی
ہوئی چھاتیاں، معصوم بچوں کی گردنیں اور کٹے
ہوئے ہاتھ عید کے تحفے کے طور پر اسلامیان
پاکستان کو ارسال کیے گئے۔ اس ڈبے پر
مسلمانوں کے لیے عید کا تحفہ کے اشتعال انگیز
الفاظ بھی درج تھے۔“

عائکہ بچکیوں سے رونے لگی تھی۔ دانیال کی
آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھری تھیں۔
آگے لکھا تھا:

”میرے بچو! میری ان یاداشتوں میں قیام
پاکستان کے مقصد اور تاریخی دشمنوں کے عرائم
سے باخبر ہو۔ اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کے
مکروہ چہروں کو ان کے اصلی روپ میں دیکھو۔
لہو میں ڈوب کر پہنچے ہیں جو کنارے تک
وہ جانتے ہیں کہ یہ راہ کس قدر تھی کٹھن
میرے دانیال! عید کا دن تم کیوں کر سو کر
گزار سکتے ہو جبکہ جالندھر اور اس جیسی دیگر
عید گاہوں کے شہداء تم سے اس وطن میں نظام ”لا
الہ الا اللہ“ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

پیاری عائکہ! عید کا دن تم ٹی وی شوز میں
کیوں کر برباد کر سکتی ہو جبکہ اسی ہزار شہید دختران
اسلام تم سے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی
حفاظت کی امیدوار ہیں۔

جوتیاں، ہم رنگ چوڑیاں، ہار، بُندے، پونیاں،
چشمہ اور اور۔“

وہ جوش میں آ کر اپنی ایک ایک چیز گنوا
رہی تھی، ننھا سا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ بابا نے
لاڈو کے دمکتے چہرے کی بلائیں لیتے ہوئے
پوچھا: ”پرس نہیں لیا میری شہزادی نے۔“

”اوہو! سب سے ضروری چیز لینا تو میں
بھول ہی گئی بابا!“ وہ اپنے ننھے سے سر پر ہاتھ رکھ
کر معصومیت سے بولی۔ ابینا کی دادی یعنی باہر
صاحب کی والدہ انیسہ خانم نے بیچ میں مداخلت کی
اور انہیں ٹوکتے ہوئے بولنے لگیں۔

”اپنی لاڈلی بیٹی کی فرمائشیں ہی سنتے رہو
گے؟ کچھ ہماری خبر بھی لے لو بیٹا!“ وہ جو بیٹی کے
چہرے پر پھیلی خوشی اور بے غرض محبت دیکھ کر

الحکم

”میرے بیٹا رانک کے عید کے

تیار یاں ہو گئیں؟“

بابا نے اپنی اکلوتی بیٹی کو مخاطب کرتے
ہوئے پوچھا تو وہ آنکھیں میچ کے ایک ہی سانس
میں ڈھیر ساری چیزوں کے نام گنوا تی چلی گئی۔
”پورے تین جوڑے اور ان کے ساتھ نئی



دھوپ میں کالی سرکوں پر دن رات ٹیکسی چلا کر وہ اپنے گھر والوں کی ہر جائز ناجائز خواہشات پوری کرنے میں جتے رہتے تھے۔

ان کے گھر والے آسائش اور کشائش کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ انہیں بابر صاحب کے دل کی پرواہی نہیں تھی۔ وہ سب ان کے معاملے میں بے حس ہو چکے تھے۔ بابر صاحب مایوس ہوتے جا رہے تھے انہیں شدت سے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ جیسے کسی کو بھی ان کی ضرورت نہیں ہے۔

مگر یہ ان کی خام خیالی تھی۔

☆☆☆

انیسہ خانم اور تنویر زمان کا ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں ہیں۔ پانچ بیٹیوں کی شادی کے بعد لوگوں کے طعنے سننے پر اکلوتے کماؤ پوت بیٹے کی شادی کرنے کا خیال آہی گیا۔ بیٹے کی شادی کے تمام معاملات بالا ہی بالا طے کر کے اسے پاکستان آنے پر آمادہ کیا گیا۔ عید الفطر پر چھٹی لے کر وہ پاکستان آئے۔ آناً شادی ہوئی اور پندرہ دن بعد وہ واپس اکیلے دبئی چلے آئے۔

ابینا کی پیدائش پر بابر صاحب چاہ کر بھی پاکستان نہیں آ سکے۔ وہ اپنا دل مسوس کر رہ گئے تھے۔ ہفتہ دس دن میں ایک آدھ مرتبہ موبائل فون پر بات ہو جاتی تھی۔ ہر سال عید سے قبل گھر والوں کا فون آتا۔ نئے پردے، کراکری، کپڑوں، عیدی وغیرہ کے لیے بڑی رقم بھجینے کا حکم

خوش ہو رہے تھے اپنی والدہ کے کاٹ دار الفاظ پر بس کلس کر رہ گئے۔

انیسہ خانم نے عید پر ہونے والے اخراجات کی ایک لمبی چوڑی فہرست ان کے گوش گزار کر دی وہ خود تو پرسکون ہو گئیں مگر بابر صاحب سخت بے چینی کا شکار ہو گئے۔ اس پر طرہ یہ کہ بہنوں نے بھی فون پر فرمائشوں کے انبار لگا دیئے انہوں نے بیزاری سے ہوں ہاں کرتے ہوئے لائن کاٹ دی۔

دبئی سے ویڈیو کال پر اپنے اہل خانہ سے بات کرنے کے بعد بابر صاحب کتنے رنجیدہ اور اداس ہو گئے تھے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

بابر صاحب پچھلے بیس سالوں سے بیرون ملک رزق حلال کمانے کی غرض سے مقیم تھے۔ گھر کے اکیلے کفیل جس نے بوڑھے اور بیمار والدین کے علاج، دوا دارو کے اخراجات، بہنوں کی تعلیم اور شادیوں کے لیے اپنی زندگی کے قیمتی سال لٹا دیئے۔ کتنی ہی میٹھی عیدیں آئیں اور اپنوں کے بغیر بھینگی گزر گئیں۔ پرائے دیس میں وہ اپنے پیاروں کی صورت دیکھنے کو ترستے رہتے۔

رمضان المبارک میں سحر و افطار کے وقت گھر کی رونقیں، مسرتیں، عید کی خوشیاں، دعوتیں، میل جول انہیں بہت تڑپاتا۔ مگر روزگار کی خاطر وہ یہ قید تنہائی کاٹنے پر مجبور تھے۔ پردیس کی چلچلاتی

انیسہ خانم لا جواب ہو گئی تھیں۔ اس ننھی سی جان نے سوال کر کے سب گھروالوں کو شش و پنج میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ سب ایک عجیب سی غلش محسوس کرنے لگے تھے۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی ابینا نے رو رو کر اپنی آنکھیں سو جالیں۔ انیسہ خانم بہو کے ساتھ ابینا کو بازار لے جا کر عید کی ڈھیر ساری چیزیں دلا لائیں۔ کہ شاید اس طرح پوتی کا دل اور دھیان بٹ جائے گا۔ مگر نہ جی ابینا وقتی طور پر بہل گئی تھی پھر اس نے ایک ہی راگ الاپنا شروع کر دیا۔

”مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔“

ابینا کی امی جان معاملہ کی تہ تک پہنچ کر مسئلہ کا حل سمجھ گئیں تھیں مگر وہ بے بس تھیں ان سب کے آگے ان کی ایک نہیں چلنی سو وہ خاموش تماشائی بنی سب دیکھتی رہیں۔ ماہِ مقدس کے بابرکت ایام پر لگا کر اڑتے رہے اور جمعۃ الوداع کا دن آپہنچا۔

آج ابینا نے پہلی مرتبہ روزہ رکھنے کی ضد کی۔ سب کے منع کرنے کے باوجود اس نے روزہ رکھ کر دم لیا۔

ابینا کی امی نے اسے نیا نکور جوڑا پہنا کر تیار کیا۔ مگر وہ بدستور اس اور گم صم رہی۔ چھوٹی سی بچی اپنے دل کی بات دل میں دبائے بیٹھی تھی۔

صادر فرما کر انیسہ خانم فون بند کر دیتیں۔ کہیں ان کا بیٹا بیوی بچی کی محبت میں اتنی اچھی کمائی چھوڑ چھاڑ کر واپس نہ چلا آئے۔ اس خود غرضانہ سوچ کے تحت بیٹی سے باپ کو دور رکھنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی تھی۔ نہ بابر صاحب کو پاکستان آنے کی اجازت تھی نہ بیوی بچی کو ان کے پاس دہلی میں رہنے کی۔

☆☆☆

ننھی ابینا گھر بھر کی رونق تھی۔ چھوٹی سی بچی جس کی معصومیت اور بھولی اداؤں پر داد ادا دی بھی فدا تھے۔ چہکتی مینا چپ چپ رہنے لگی تھی۔ شاید اپنے پھوپھی زاد بہن بھائیوں کو ان کے والد کے ساتھ ہنٹا کھیلنا زائٹھا تا دیکھ کر وہ اپنے بابا کی کمی شدت سے محسوس کرنے لگی تھی۔ ایک دن اس نے انیسہ خانم سے کہہ ہی دیا۔

”دادو! عید پر سب کے بابا ان کے پاس ہوتے ہیں، میرے بابا میرے پاس کیوں نہیں ہیں؟“

انیسہ خانم سٹپٹا کے رہ گئیں اور پوتی کو ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

”بچی! تمہارے بابا باہر ملک میں ملازمت کرتے ہیں۔ وہاں سے یہاں آنا جانا آسان نہیں۔“

”تو دادو! کیا ضرورت ہے وہاں ہمارے بغیر رہنے کی۔“ ذہین ابینا فٹ سے بولی۔

پناہ آیا۔ مگر وہ امی کی ایک آواز پر اٹھی نہیں۔ امی نے اسے دوبارہ آواز دی۔

”بیٹی! آج یوم الشکر ہے۔ چلو جلدی سے بستر چھوڑو!“ اپنا مشکل اٹھ کر بیٹھی ہی تھی کہ اسے سواٹ کا جھٹکا لگا۔ اس نے حیرت سے امی کا چمکتا چہرہ دیکھا اور ننگے پیر کمرے سے باہر نکل آئی۔

”بابر! عید کی نماز کے لیے دیر ہو رہی ہے۔“ دادا کی آواز گونجی تھی۔ ہکا بکا کھڑی پوتی کو دیکھ کر دادا داد و نم آنکھوں سے زیر لب مسکرا رہے تھے۔ دادا کے کمرے سے سفید شلوار قمیض میں ملبوس بابر صاحب نمودار ہوئے، اپنا مسرت سے چلا اٹھی۔

”میرے بابا!“

بابر صاحب نے ہانپیں پھیلا دیں اور بولے۔

”بٹیارانی! عید مبارک۔“

یہ عید اتنی حسین اور خوبناک ہو گئی تھی اپنا نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اسے سمجھ آ گئی تھی کہ امی جان نے عید کے دن کو ”یوم الشکر“ (شکر کا دن) کیوں کہا تھا۔

پیارے بچو!

اگر آپ بھی چاہتے ہیں کہ اپنی عید میں ہمیشہ اپنے بابا کے ساتھ منائیں تو اپنا کی طرح ہر چیز اپنے اللہ جی سے مانگیں۔ اللہ جی معصوم بچوں کی دعائیں فوراً قبول کرتے ہیں۔

☆☆☆

روزہ کھولنے کے وقت اپنا نے دعا مانگتے ہوئے تڑپ کر اللہ جی کو دل سے پکارا۔ اس معصوم کی دعا نے تو عرش کو ہلا دیا تھا۔ افطار کے وقت اس نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ سب کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ حقیقتاً پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ بالآخر اپنا کی امی کو اپنا منہ کھولنا ہی پڑا۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی، صبح عید۔ افطار کے بعد سب گھر والے مختلف تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ دادا اور دادو صاحب معمول عبادت میں مگن تھے۔ چھوٹی پھپھو سب کے کپڑے استری کر رہی تھیں جبکہ امی باورچی خانے میں عید کے پکوان بنانے میں مصروف تھیں۔ اور اپنا جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر ادھر گھومتی پھر رہی تھی۔ آخر کار تھک ہار کر بستر پر سو گئی۔

☆☆☆

”اپنا! اٹھو کتنا سو گئی؟“

وہ نیند کی وادیوں میں کھوئی ہوئی تھی جب امی جان نے اسے پکارا۔ نیند میں بابا کو عید کی تیاریوں کے بارے میں بتاتے بتاتے اب امی جان کے بارے میں سوچنے لگی۔

”ہمیشہ پوری چاند رات جاگ کر گزار دیتی ہیں۔ عبادت کے ساتھ گھر کے سارے کام بھی کرتی رہتی ہیں میری پیاری امی۔“ اپنا کو اپنی امی پر بے

تیسری

اعمال

کام بھی نہیں کرتا تھا۔ اب سیٹھ
فرقان کو کسی ایماندار اور محنتی مالی
کی ضرورت تھی۔

محمد شعیب کو پتہ چلا تو وہ کھل اٹھا،
اللہ نے ایک اور درکھول دیا
تھا۔ سیٹھ صاحب نے مالی کیلئے
اشتہار دیا تھا۔ شعیب نے بھی قسمت
آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اسے سو فیصد

یقین تھا کہ سیٹھ صاحب اسے رکھ لیں گے کیونکہ وہ
بہت محنتی تھا۔

سکول کا ہر اہرا خوبصورت باغیچہ اس میں
کھلے رنگ برنگے پھول اس کی محنت کا ثبوت
دے رہے تھے۔ اہلیہ نے اسے دعاؤں میں
رخصت کیا۔

محمد شعیب سیٹھ صاحب کے خوبصورت بنگلے
میں آگیا تھا۔ ملازم نے اسے مہمان خانے میں
بٹھایا جہاں پر اور بہت سارے مالی بیٹھے ہوئے
تھے۔ محمد شعیب کو پورا یقین تھا کہ وہ ہی سلیکٹ ہوگا
کچھ ہی دیر میں سیٹھ صاحب تشریف لے آئے، سب
نے سلام کیا۔ سیٹھ صاحب صوفے پر براجمان ہو
گئے اور باری باری سب کو بلا کر ان سے ملنے لگے۔
ایک ایک کر کے وہ سب سے مل چکے مگر کسی میں
وہ محنت اور دلجمعی نظر نہ آئی۔ سیٹھ صاحب کسی سے بھی
مطمئن نہیں ہوئے اب آخری مالی محمد شعیب ہی رہ
گیا تھا۔

محمد شعیب قریب سکول

میں مالک کے طور پر اپنی خدمات
سرانجام دیتا تھا۔ وہ اپنا کام بڑی دلجمعی اور
محنت سے کرتا تھا۔ تبھی تو سکول میں رنگ برنگے
خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے۔

یہ سب محمد شعیب کی محنت کا نتیجہ تھا مگر پھر
سکول کے پرنسپل نے محمد شعیب کو نکال کر کسی اور
سفارشی شخص کو مالی رکھ لیا۔

اب محمد شعیب بے روزگار ہو گیا تھا۔ دو ہفتوں
سے وہ کسی اور جگہ کام ڈھونڈ رہا تھا مگر بے سود مگر
وہ مایوس نہیں ہوا تھا۔

اس کی اہلیہ نے ہر بار اس کی ہمت بندھائی
کہ آپ کا پریشان نہ ہوں۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ وہی
رازق ہے ایک در بند کرتا ہے تو سینکڑوں اور
کھول دیتا ہے۔

انہی دنوں میں سیٹھ فرقان علی نے اپنے مالی
کو نکال دیا کیونکہ وہ انتہائی کام چور تھا، ٹھیک سے

وہ پوچھ نہ سکا کہ کیوں؟ وہ فون نمبر دے کر چلا آیا۔

اہلیہ نے پوچھا کیا بنا؟ کچھ نہیں، صاحب نے انکار کر دیا کہ اس کا دل نہیں مان رہا۔ اس کی اہلیہ اسے ہمت دیتے ہوئے بولی: آپ مایوس نہ ہوں اللہ بہت بڑا ہے وہ کہیں اور سے رزق کا بندوبست کر دے گا، شعیب نے سر ہاں میں بلایا۔

ایک ہفتہ ہو گیا، وہ نو کری کیلئے مارا مارا پھرتا رہا۔ اب تو اسکی ہمت بھی جواب دینے لگی تھی۔ اہلیہ اسے تسلیاں دیتی مگر وہ بالکل ناامید اور مایوس ہو گیا تھا۔ ایک وہ تھا جبکی جیب میں ایک روپیہ تک ناں تھا اور دوسرا شرفو تھا جو اپنی دکان سے مہینے میں لاکھوں روپے کماتا تھا وہ ایک کو دو میں کرنے کا ماہر تھا۔ وہ ناپ تول میں کمی کرتا تھا۔ اس نے پرچون کی دکان کیساتھ گوشت کی دکان اور سبزی کی ریڑھی بھی لگالی تھی۔

محمد شعیب کے گھر کے سامنے ہی شرفو کی دکان تھی۔ محمد شعیب جب بھی ادھر سے گزرتا تو شرفو کے ہاتھوں میں پیسوں کی گٹھیاں ہوتیں جسے وہ گن رہا ہوتا، وہ حسرت سے اسے نوٹ گنتے ہوئے دیکھتا اور سوچتا کہ کاش! اسکے پاس بھی آمدنی کا کوئی ایسا ذریعہ ہوتا، اہلیہ اسکی باتیں سنتی تو اس سے کہتی ایسا ناں کہیں اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ شرفو حرام طریقے سے کما رہا ہے۔ ناپ تول میں کمی کرتا ہے۔ آپ کو تو

محمد شعیب کا دل دھڑک رہا تھا مگر اسے پورا یقین تھا کہ سیٹھ صاحب اسے مالی رکھ لیں گے۔ سیٹھ صاحب اس کا بغور جائزہ لینے لگے۔ وہ اس سے پوچھنے لگے، شعیب انہیں بتانے لگا کہ وہ پہلے سکول میں مالی کی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ وہ بڑی محنت اور دجمعی سے کام کرتا تھا جس کا ثبوت سکول میں کھلے خوبصورت رنگ برنگے پھول تھے۔ محمد شعیب اپنی قابلیت کے بارے میں سیٹھ صاحب کو بتانے لگا۔ سیٹھ صاحب بڑے غور سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ آخر میں محمد شعیب نے کہا: صاحب پہلے سکول میں کام کرتا تھا تو تنخواہ ملتی تھی مگر اب میں بے روزگار ہوں۔ بڑی مشکل سے گزارہ ہو رہا ہے۔ آپ مجھے کام پر رکھ لیں مجھے محنتی اور ایماندار پائیں گے۔

سیٹھ صاحب کچھ سوچنے لگے پھر کہا: میں آپ سے متاثر ضرور ہوا ہوں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ میں آپ کو نہیں رکھ سکتا۔

”مگر صاحب کیوں؟ کوئی وجہ؟“

”نہیں بس میرا دل نہیں مان رہا۔ اب آپ جاسکتے ہیں۔“

ایک امید کی کرن دکھائی دی تھی مگر اب وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ بوجھل قدموں سے جانے لگا تو سیٹھ صاحب نے کہا: سوائے محمد شعیب کے۔ وہ جلدی سے پلٹا۔

”اپنا فون نمبر دیتے جاؤ!“

رات کے کھانے کا کہہ دیا۔ اب کیا کروں؟ تبھی اس کی اہلیہ اس کے پاس آگئی اسے پریشان دیکھ کر کیا کیا ہوا ہے؟

شعیب نے پوری بات بتادی کہ سیٹھ صاحب آج رات کا کھانا اپنی فیملی سمیت میرے گھر آ کر کھانا چاہتا ہے اور تو اور میں نے فوراً سے ہاں کر دی اب پچھتا رہا ہوں کہ جلد بازی سے کیوں کام لیا۔ جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں مہمانوں کو کیا کھلاؤں گا؟ اس کی اہلیہ مسکرائی۔

فکر کیوں کرتے ہیں آپ! کیسے فکر ناں کروں مجھے تو بڑی شرمندگی ہوگی۔ ایسا کرتا ہوں کہ کال کر کے سیٹھ صاحب کو آنے سے منع کر دیتا ہوں۔ اسکی اہلیہ جلدی سے بولی، نہیں ہرگز نہیں انہیں آنے دیں مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں کیا پتہ اس رحمت سے ہمارے لیے بھی رزق کے دروازے کھل جائیں۔

مگر میں انہیں کھلاؤں۔ گا کیا؟ آپ فکر ناں کریں میرے پاس ہزار روپے ہیں آپ ان پیسوں سے جا کر سودا سلف لے آئیں ہم سے جو ہو سکا ہم کھلائینگے۔ اہلیہ نے ہزار کانوٹ شعیب کو تھمایا اور شعیب گھر سے نکل گیا۔

ایک آدمی مرغی لے کر شرفو کی دکان پر آگیا اور شرفو سے بولایہ مرغی کتنے کی لوگے؟

شرفو مرغی کو دیکھنے لگا ہوں تین سو کی۔ غضب خدا کا تین سو کی مرغی ملتی ہے بھلا؟ اچھا چلو چار سو مگر

چاہیے کہ جب شرفو کو ایسا کرتے دیکھیں تو اسے خدا کے قہر اور عذاب سے ڈرائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا ہی کریں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں“

اہلیہ نے قرآن کی آیت کا حوالہ دیا تو محمد شعیب نے فوراً سے توبہ کی کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔ سارے محلے والے جانتے تھے کہ شرفو ناپ تول میں کمی کرتا ہے مگر وہ مجبور تھے محلے کے نزدیک یہی وہ دکان تھی جہاں پر ضرورت کی ہر چیز مل جاتی تھی۔

شرفو امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا تھا دولت میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ سردیوں کے دن تھے محمد شعیب چار پائی پر بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا کہ اسکی سوچوں کے سلسل کو موبائل پر آئی کال نے توڑا۔ شعیب نے فون کان سے لگا کر کہا، ہیلو مگر دوسری طرف سیٹھ فرقان کی آواز سن کر وہ تقریباً اچھل ہی پڑا تھا۔ سیٹھ فرقان نے اسے بتایا کہ وہ آج رات کا کھانا اپنی فیملی سمیت اس کے گھر آ کر کھانا چاہتا ہے محمد شعیب کے منہ سے فوراً نکلا ”ہاں! کیوں نہیں بسم اللہ“ دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی۔

اب محمد شعیب خود کو برا بھلا کہنے لگا کہ جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں اور سیٹھ صاحب کو فیملی سمیت

اس سے زیادہ نہیں دونگا۔ مرضی ہے تمہاری وگرنہ کہیں اور جا کر اپنی یہ بیمار اور ڈھانچہ مرغی بیچ دو۔ وہ بے چارے نے مجبوراً چار سو کے عوض شرفو کے ہاتھ وہ مرغی بیچ دی اور چار سو روپے لے کر چلا گیا۔ شرفو اپنی چالاکی پر مسکرا اٹھا۔ محمد شعیب شرفو کی دکان آگیا، شرفو اس وقت سبزی کی ریڑھی پر کھڑا ایک گا ہک کو سبزی دے رہا تھا۔ اس آدمی نے پانچ سو کا نوٹ بڑھایا۔ ایک کلو آلو تو دینا! شرفو آلو ترازو میں ڈالنے لگا۔ وہ شخص اب ٹماٹر دیکھ رہا تھا۔ شرفو نے اس کی بے دھیانی کا فائدہ اٹھایا اور کلو آلو میں سے دو آلو نکال لیے۔ باقی شاہرہ میں ڈال کر اس آدمی کے حوالے کیا۔ آدمی نے کلو ٹماٹر لیے اور بقایہ پیسے لے کر روانہ ہو گیا۔

شرفو شعیب کو آنکھ مار کر مسکرایا۔ شعیب کو افسوس ہوا تھا۔ شرفو اب پیسے گننے لگا۔ اس نے لکڑی کی ایک صندوقچی کھولی تو اس میں کئی نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اب ایک اور گڈی کا اضافہ ہو چکا تھا۔ صندوقچی کو تالا لگا کر اب وہ شعیب کے ساتھ متوجہ ہوا۔

”ہاں بھئی کیا چاہیے؟“

”شرفو! تم یہ ٹھیک نہیں کر رہے۔“

”کیا؟“

”یہی کہ تم ناپ تول میں کمی کرتے ہو۔ لوگ نہیں دیکھتے مگر ان کا خدا تو دیکھ رہا ہوتا ہے۔“

”تم ناں بہت بھلے ہو آجکل ایمانداری کا

زمانہ ہی کہاں ہے جسے دیکھو پیسہ بنا رہا ہے تو میں بھی اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہوں اور دگنا کما رہا ہوں۔“ شرفو ہنسا

”شرفو! تم حلال ذریعہ سے اور ایمانداری سے بھی دگنا کما سکتے ہو۔“

”بابا بابا“ شرفو نے قہقہہ لگایا۔

”مجھ سے یہ مال ایمانداری سے نہیں کھایا جاتا۔ میری اسپید ہمیشہ سے ہر کام میں تیز ہی رہی ہے تم بتاؤ تمہاری ایمانداری کا کیا صلہ ملا تمہیں؟ سکول سے باہر نکال دیا۔ بولو کچھ ملا اس ایمانداری کا انعام؟ ہوں سب بکو اس ہے۔“

”مگر شرفو! تم حلال تو کماؤ ناں! یوں ناپ تول میں کمی تو ناں کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”اور جب تم ناپ تو پورا نا پاؤ اور سیدھی ترازو سے تولو یہ بہتر اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے۔“

شرفو سے یہ ہضم نہ ہوا تو منہ بنا کر بولا

”اچھا اچھا اب زیادہ میرا استاد نہ بنو جو لینے آئے ہو وہ لو اور چلتے بنو!“ شعیب نے افسوس سے سر ہلایا۔ اس کی نظر مرغی پر پڑی۔

یہ کتنے کی دو گے؟ میں گھر میں اسے ذبح کرونگا۔ شرفو نے کہا، آٹھ سو آٹھ سو؟ کچھ کم کرو، ہاں سات سو آخری ریٹ ہے، اس سے کم نہیں۔ اب تمہاری مرضی ہے لیتے ہو تو لو! وگرنہ چلتے بنو! اچھا ٹھیک ہے دے دو سات سو کی۔ اسے مجبوراً چار سو والی مرغی سات سو میں لینا پڑی اور باقی تین سو

روپے سے اس نے آلو، پیاز، ٹماٹر وغیرہ خریدے اور گھر آگیا۔

مرغی ذبح کی اور اہلیہ مہمانوں کیلئے کھانا تیار کرنے لگی مغرب کی نماز پڑھ کر وہ گھر آیا تو لگی میں ہی اس نے ایک گاڑی دیکھی تو وہ سمجھ گیا کہ سیٹھ صاحب آگیا ہے۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو سیٹھ صاحب اپنی اہلیہ اور بچوں کیساتھ آیا ہوا تھا۔

اس کی اہلیہ کو شعیب کی اہلیہ اندر لے گئی۔ فرقان صاحب باہر بیٹھے تھے۔ شعیب نے مصافحہ کیا اور حال احوال پوچھنے کے بعد اہلیہ سے کھانے کا پوچھا۔ کھانا تیار تھا سیٹھ فرقان اور شعیب باہر ہی کھانا کھانے لگے۔ البتہ دونوں خواتین اور بچے اندر کمرے میں کھانا کھا رہے تھے۔

کھانا بہت خوش ذائقہ اور مزیدار تھا۔ سیٹھ فرقان کو کھانا بے حد اچھا لگا تھا۔ ابھی کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ محلے میں شور مچ گیا۔ سیٹھ فرقان اور شعیب جلدی سے باہر آگئے۔ دیکھا شرفو کی پوری دکان شعلوں کی لپیٹ میں تھی۔ اور شرفو چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

”خدارا! آگ کو بجھاؤ! اندر میری پیسوں والی صندوقچی رکھی ہے میری کل جمع پونجی اس میں ہے۔“

جب تک آگ بجھتی سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا تھا۔ شرفو راگھ کے ڈھیر کے پاس بیٹھا راگھ کی مٹھیاں بھر بھر کر کہہ رہا تھا۔

”سب جل گیا سب ختم ہو گیا۔ سب برباد ہو گیا۔“

سیٹھ فرقان اور شعیب عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آ

گئے۔ شعیب نے کہا، میں نے بہت بار شرفو کو کہا کہ حلال کی روزی کماؤ، ایمانداری سے کھاؤ اللہ ایمانداری کا صلہ ضرور دیتا ہے، مگر وہ نہ مانا، الٹا مجھ پر ہنتا تھا تمہیں تمہاری ایمانداری کا کیا انعام ملا؟ اب دیکھ لو انجام حرام طریقے سے کمائی گئی رقم کا۔

سیٹھ فرقان مسکرا کر بولا: اب تم خوش ہو جاؤ تمہیں تمہاری ایمانداری کا انعام ملنے والا ہے۔

مطلب؟ مطلب یہی کہ کل سے تم کام پر آ جاؤ، میں تو صرف تمہیں آزما کر دیکھ رہا تھا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کتنے ایماندار ہو۔ تمہاری تنخواہ تیس ہزار ہوگی۔ تم میرے گمان کے مطابق نکلے۔ میں تمہاری اس اعلیٰ اور اخلاص سے بھرپور مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوا ہوں۔

شعیب کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اللہ نے اس کی سن لی اور اس کی مشکل آسان کر دی۔ سیٹھ صاحب اس کا شکریہ ادا کر کے روانہ ہو گئے۔

شعیب نے اپنی اہلیہ کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ بھی بہت خوش ہوئی، اس نے خدا کا شکر ادا کیا، اللہ نے ان کی سن لی تھی، انہیں ان کی ایمانداری کا انعام مل گیا تھا۔ وہ سکون سے سو گئے کیونکہ اب ایک نئی صبح ان کی منتظر تھی جو ان کیلئے خوشحالی لانے والی تھی۔



صاف دل، شفاف عید

گائوں میں
عید کی صبح بڑی
سبانی اور نورانی
تھی۔ برپیز ہنستی
مسکراتی نظر آ
رہی تھی۔

آخر کو رمضان
المبارک کا نور تیس

طرف پڑتیں تو وہ دہل جاتا۔
اسے گھروں سے آگ اور دھوئیں کے
بڑے بڑے بادل اٹھتے دکھائی دے رہے
تھے۔ کچھ تو گڑ بڑ تھی۔ درویش نے بستی کی طرف
غور سے دیکھا اور کہا۔
”یا اللہ خیر!“

دن برساتا تھا نکھار تو آنا ہی تھا۔ پھولوں کی مہکار میں
پرندوں کی چہکار نے عجب سماں باندھ رکھا تھا۔
درویش ہدہ نے دائیں بائیں گھیل کرتے
جانوروں کو دیکھا تو انھیں دل سے دعائیں دیں۔
وہ سب ایک دوسرے کو دل سے ”عید مبارک“
جو کہہ رہے تھے۔ لیکن جب اس کی نگاہیں انسانی
بستی کی

☆☆☆



محمد فیصل علی

انھیں توقیر سے نوازا۔

اس کے بعد نذرے نے سب کو باری باری مٹھائی پیش کی اور چائے بھی پلائی۔ چودھری صاحب نے سیاسی امور پر گرم گرم بات چیت کی اور گاؤں میں ترقیاتی کاموں کے جال بچھانے کی نوید سنائی۔ سب لوگ وہاں پر تو واہ واہ کرتے رہے لیکن جیسے ہی وہ ڈیرے سے باہر نکلے، ان میں سے ایک بولا:

”بڑا پیسہ ہے اس کے پاس“

”ہاں، ظاہر ہے بیٹا ایم پی اے جو ہے، خوب لوٹ رہے ہیں۔“

دوسرے نے حصہ ڈالا۔

”اور ایم پی اے بنایا کس نے ہے؟ ہم نے؟ ہم بے وقوفوں نے؟“

چاچا خیر و نے سینے پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”اب کیا کریں چاچا؟“

ایک نوجوان نے پوچھا۔

”کرنا کیا ہے، نکال پھینکو اگلے الیکشن میں اسے!“

چاچا خیر و نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور وہ بھی سر بلانے لگے۔

درویش بد بد دور بیٹھا چودھری کے ڈیرے سے آگ کی اٹھتی پلیٹیں دیکھ کر افسردہ ہو رہا تھا، اور پھر تو چاروں طرف دھواں، آگ اور اندھیرا دکھائی دینے لگا۔ درویش بد بد نے اڑان بھری

نور الہی دروازہ کھول کر نیچے اترے۔ ساتھ ہی انھوں نے ڈیرے کے ملازم کو پکارا:

”اوتے نذرے کہاں ہو؟ بھاگ کے آؤ!!!“

”آیا صاب!! ابھی آیا!!“

نذیر عرف نذرے نے دور سے جواب پھینکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چودھری جی کے سامنے تھا۔

”اوتے نذرے دوڑ کے جا اور پانچ کلو مٹھائی لے آ، تمہیں پتہ تو ہے کہ ابھی عمید گاہ سے ”بھوکے کسانوں“ کا ٹولہ آدھمکے گا، جلدی جا اور جلدی آ اور ہاں مٹھائی ہلکے والی لینا۔“

چودھری صاحب نے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

”جی صاب ابھی آیا۔“

نذرے نے کہا اور چلا گیا۔ دس پندہ منٹ بعد عمید گاہ سے چودھری صاحب کے حمایتی افراد ایک گروہ کی صورت میں ان کے ڈیرے میں داخل ہوئے۔ انھیں دیکھتے ہی چودھری صاحب نے اپنے تیور بدل لیے اور چہرے پہ خلوص والا ماسک چڑھا لیا:

”اوست بسم اللہ جی!! میرے معزز ہمسایو!!!“

سچی بات ہے، میری عمید تو اب ہوئی ہے۔“

چودھری صاحب نے اٹھ کر استقبال کرتے ہوئے کہا اور سب کو خوب گلے ملے۔ گاؤں کے افراد نے بھی چودھری صاحب کے پاؤں چھو کر

صرف ایک گھر

والدین کا گھر صرف یہی وہ گھر ہے جہاں آپ جب جی چاہے بغیر کسی دعوت کے جاسکتے ہیں یہی وہ گھر ہے جہاں آپ دروازے میں چابی لگا کر براہ راست گھر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے کہ جہاں محبت بھری نگاہیں اس وقت تک دروازے پر لگے رہتی ہیں جب تک آپ نظر نہ آجائیں۔ یہ وہ گھر ہے جو آپ کو آپ کی بچپن کی بے فکری اور خوشیوں کے دن یاد دلاتا ہے۔ یہ وہ گھر ہے جہاں آپ کی موجودگی اور ماں باپ کے چہرے پر محبت کی نظر ڈالنا باعث برکت ہے اور ان سے گفتگو کرنا اعزاز کی بات ہے۔

یہ وہ گھر ہے جہاں آپ ناجائیں تو اس گھر کے مکینوں کے دل مرجھا جاتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جہاں ماں باپ کی صورت میں دو شمعیں جلی رہتی ہیں تاکہ آپ کی دنیا کو روشنی سے جگمائیں اور آپ کی زندگی کو خوشیوں اور مسرتوں سے بھر دیں یہی ہے وہ گھر جہاں کا دسترخواں خالص محبتوں سے بھرپور اور ہر قسم کی منافقت سے پاک ہے یہ وہ گھر ہے کہ اگر یہاں کھانے کا وقت ہو جائے اور آپ کچھ نہ کھائیں تو اس گھر کے مکینوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جہاں آپ کو ہر قسم کی خوشیاں اور فہمے میسر ہیں۔

کی گردنہ درتہ جمی ہوئی تھی۔

اور گاؤں کا چکر لگایا۔

درویش بدہد نے سوچا کہ کاش یہ لوگ بھی
رمضان المبارک کے نور سے اپنے دلوں کو دھو
لیتے تو آج ان کی عید بھی سہانی ہوتی اور یہ سب
بھی سچی عید مناسکتے۔ دل صاف ہوتے تو عید
بہت شفاف ہوتی۔

اب اسے انسان چلتے پھرتے نظر آرہے تھے
لیکن معاملہ کچھ عجیب نظر آرہا تھا۔ بظاہر ہنس کر ملتے
چلتے انسانوں کے سیاہ دل انھیں نہایت بد صورت
بنارہے تھے لیکن یہ سب صرف درویش کو نظر آرہا تھا
اور کسی کو نہیں۔

درویش بدہد نے ایک گہری سانس لی اور
واپس اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھ گیا۔

رمضان المبارک کا نور تیس دن برساتھا، سارا
ماحول جگمگا رہا تھا لیکن انسانی دل گرد سے اٹے
ہوئے تھے۔ نفرت، بغض، حسد، لڑائی اور منافقت

☆☆☆

اپنی عید کی شاپنگ کا
بتایا۔ دوسروں نے بھی اپنی
چیزوں کے بارے میں
ڈسکس کیا۔ لیکن دجیہ بالکل
چپ چاپ بیٹھا رہا۔ شیٹ
نے یہ بات نوٹ کی۔ چھٹی
کے وقت وہ دجیہ کے پاس گیا۔

”کیا بات ہے دجیہ! تم کلاس میں
بھی بڑے خاموش تھے؟“ دجیہ جو پہلے
ہی پریشان تھا تسلی کے دو بول سن کر رونے
لگا۔ شیٹ نے اسے ساتھ لگا کر پیار کیا اور پوچھا، کیا
ہوا؟ اپنے بیٹ فرینڈ کو نہیں بتاؤ گے؟

تو دجیہ آہستہ آہستہ بتانے لگا۔

”میرے بابا کی جاب چھوٹ گئی ہے اور
ہمارے پاس بالکل بھی پیسے نہیں ہیں گھر بھی کپنی
نے لے لیا ہے۔ اسکول بھی اب ہم افرڈ نہیں کر
سکتے، اس لیے میں اس ماہ اسکول چھوڑ دوں گا۔“
شیٹ بھی یہ سن کر پریشان ہو گیا مگر اسے حوصلہ
دیتے ہوئے بولا۔

”تم دعا کرو! اللہ تعالیٰ رمضان میں سب کی
دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک
ہو جائے گا۔“ اتنے میں ڈرائیور آ گیا تو وہ گھر چلا
گیا۔

شام میں بابا آئے تو اس نے ساری بات بتا

کر کہا۔

”اماں! مجھے

تین سوٹ لینے ہیں اور تین ہی
سینٹرلز بھی۔“ شیٹ نے منی مائٹر کی شاپ پہ
کھڑے ہو کر ماں سے ضد کی اس سے پہلے کہ محلہ
بولتیں۔ بابا نے کہا۔

”کیوں نہیں۔ میرا بچہ جو کچھ لینا چاہیں لے
سکتے ہیں۔“ یہ سنتے ہیں شیٹ نے اسٹینڈ سے اپنی
پنڈ کے کپڑے اتارے اور کاؤنٹر کی طرف چل
دیا۔ بابا نے کارڈ دے کر ادائیگی کی۔ سامنے ہی شو
اسٹور تھا وہاں سے وہ اپنی پنڈ کے جوتے لے کر
باقی چیزوں کے لیے مختلف دکانوں میں پھرتے
رہے۔ شام کو کے، ایف، سی سے کھانا کھا کر گھر
واپس چلے گئے۔

شیٹ اگلے دن اسکول گیا تو سب دوستوں کو

”پلیز بابا! آپ اس کے بابا کو اپنی فیکٹری میں جاب دے دیں ناں؟ وہ بہت کوالیفائیڈ اور تجربہ کار ہیں اور ماما میں اپنا ایک عمید ڈریس اور شو بھی اسے گفٹ کر دوں پلیز!“ مخلہ نے خوشی سے کہا۔

”ماشاء اللہ! مجھے خوشی ہے کہ تم اتنے حساس ہو اور دوسروں کا خیال رکھنے والے ہو۔ ضرور کیوں نہیں اور اگر اس کے بہن بھائی ہیں تو ان کے لیے بھی شام میں کچھ لے آنا۔“

”نہیں اس کے بہن بھائی نہیں ہیں۔ پھر بابا بتائیں نا جاب دیں گے نا آپ اس کے بابا کو؟“

اچھا بھئی! اب آپ کی سفارش ہے تو جاب تو دینی ہی پڑے گی۔ ویسے بھی مجھے اکاونٹس میں ایک بندہ چاہیے۔ آپ کال کرو اس کے بابا کو ہم شام میں جا کر ان سے مل بھی لیتے ہیں اور آپ دجیہ کو گفٹس بھی دے دینا۔“ بابا بولے۔

شیت خوشی سے بھاگا اور لینڈ لائن سے اسی وقت کال کر کے دجیہ کو شام کو آنے کا بتایا۔ شام میں افطاری سے کچھ پہلے انہوں نے پورے مہینے کی گروسری، پھل، بیکریے اور دجیہ اس کی ماما بابا کے لیے عید کے کپڑے لیے اور ان کے گھر پہنچ گئے۔

دروازہ دجیہ کے بابا فہد نے کھولا تو شیت کے بابا نے مصافحہ کرتے ہوئے شگفتہ لہجے میں

کہا۔
”بھئی! ہم نے سوچا آج افطار آپ کے ساتھ کی جائے۔“

”بہت اچھا کیا۔“ فہد نے مسکرا کر کہا۔
”مگر اس سے پہلے کچھ سامان گاڑی سے نکال کر اندر لے چلیں! آجاؤ! بچو! ذرا ہماری مدد کرو!“ وہ سب گاڑی سے سامان اتار کر اندر رکھنے لگے۔ جبکہ خواتین افطاری کا سامان میز پر لگانے لگیں۔

”بھابھی! یہ سب تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ آمنہ نے اتنا سامان دیکھ کر کہا تو مخلہ نے انہیں گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”سوری آمنہ! ہمیں معلوم نہیں تھا کہ بھائی کی جاب چلی گئی ہے ورنہ ہم یہ سب بہت پہلے لے آتے۔ اگر آپ یہ سب قبول کر لیں گے تو ہم پر یہ آپ کا احسان ہو گا۔“

آمنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو مخلہ نے انہیں کہا: ”چلتے! اذان ہونے والی ہے باقی باتیں بعد میں کریں گے۔“

عید والے دن وہ سب مسجد میں ملے تو بہت خوش تھے۔ شیت کے بابا نے اپنے بیٹے کو فخر سے دیکھ کر سوچا۔

”اصل عید تو دوسروں کو بھی اپنی خوشی میں شریک کرنا ہی ہے۔“



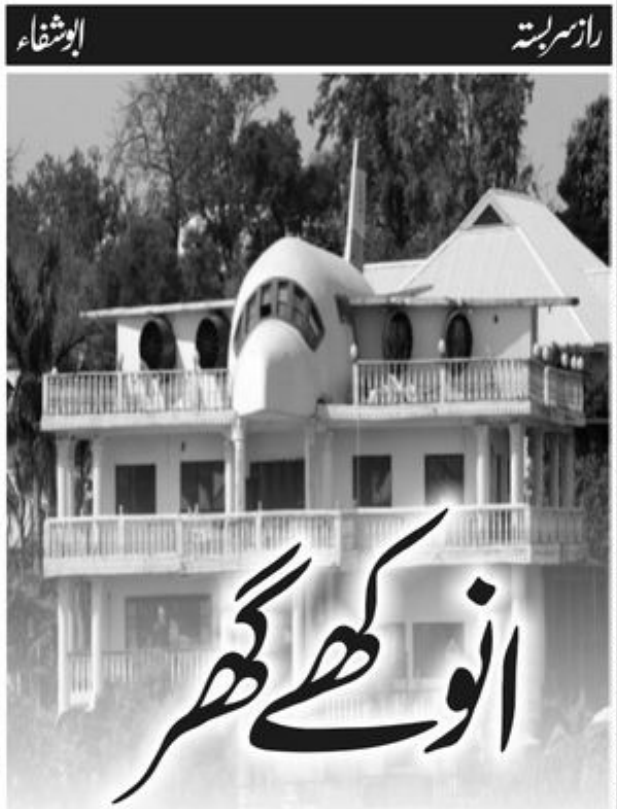
اور ایسے ہی سب سے عجیب ترین گھر دیکھنا
آپ کی زندگی کا بھی حیرت انگیز تجربہ ثابت ہو سکتا
ہے۔

ایروپلین ہاؤس، نائیجیریا
ہو سکتا ہے دور سے دیکھنے پر آپ دھوکا کھا
جائیں اور اسے ایک طیارہ ہی سمجھ لیں مگر درحقیقت
ہی ایک جہاز کی شکل کا انوکھا گھر ہے۔

اس گھر کو نائیجیریا کے شہر ابوجہ کے رہائشی سید
جمال نے اپنی اہلیہ لیزا کی یاد میں تعمیر کرایا جسے
سفر کرنا بہت پسند تھا اور اس کے گزر جانے کے
بعد افسردہ شوہر کو اس سے اچھا خراج عقیدت سمجھ
نہیں آیا۔



ٹوائلٹ ہاؤس، کوریا
جی ہاں اس کا نام واقعی مسٹر ٹوائلٹ ہاؤس
ہے جو جنوبی کوریا کے شہر سوون میں واقع ہے،



انوکھے گھر

گھر کس کو پیارا نہیں لگتا اور اس کی ملکیت کا
خواب تو ہر انسان ہی دیکھتا ہے، یہ درحقیقت
صرف چار دیواریں اور چھت نہیں ہوتا بلکہ اس
میں رہنے والوں کی یادوں اور عادتوں سے بنتا
ہے جو اس رہائش گاہ کو جنت یا جہنم بنا دیتے
ہیں۔

مگر ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا
گھر آس پاس رہنے والوں، گلی، علاقے، شہر بلکہ
ملک یا دنیا بھر میں سب سے منفرد ہو۔

گنبد سے غاروں تک، ٹری ہاؤسز سے برفانی
اگلوں تک دنیا بھر میں ایسے انوکھے گھروں کی کمی
نہیں جو دیکھنے والوں کو حیرت میں مبتلا کر دیں
بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ
جائیں۔

کمر پر لد اگھر، چین
ایسا گھر کون پسند کرے گا جو ہر وقت آپ کی
کمر پر لدار ہے اور آپ جہاں جائیں اسے ساتھ
لے کر جائیں مگر چین کے 38 سالہ لیونگ چاؤ کو تو
یہی پسند ہے۔

کچھ سال قبل لیون نے لیوزاؤ نامی علاقے سے
اپنے آبائی قصبے روگن واپس جانے کا فیصلہ کیا جو
کہ 462 میل کے فاصلے پر واقع تھا اور یہی
سوچ کر اس نے بانسوں، پلاسٹک بیگ اور



چادروں کی مدد سے پانچ فٹ چوڑا اور ساڑھے چھ
فٹ لمبا سفری گھرتیار کر لیا جس کا وزن ساٹھ کلو کے
قریب ہے اور وہ اسے کمر پر لد کر روزانہ بارہ میل
تک سفر کرتا ہے۔

مر رہاؤس، اٹلی
اٹلی کے خطے بولزانو میں واقع یہ گھراکثر اپنے

ٹوائلٹ کی شکل کی یہ عمارت سارا سال لوگوں کے
لیے کھلی رہتی ہے اور یہاں مختلف نمائشوں اور



لبنان

دھوکا نہ کھائیں یہ گھر شمالی لبنان کے علاقے
Miziara میں واقع ہے جو ایریس اے 380
کی نقل ہے۔



ہوئی چٹان پر بنایا گیا ہے۔ لکڑی کی مدد سے تعمیر کیا جانے والا یہ منفرد گھر 1968 میں چند نوجوانوں نے اس لیے تعمیر کیا تھا کیونکہ ان کے خیال میں یہ چٹان ایک چھوٹی پناہ گاہ کے لیے مثالی مقام ہے۔

یہ گھر نہ صرف آرٹ کا نمونہ ہے بلکہ اپنے انوکھے طرز تعمیر کی وجہ سے سیاحوں کی توجہ کا بھی خاص مرکز بنا رہتا ہے۔

ٹری ہاؤس، فرانس

درختوں پر تو گھر بنانا زمانہ قدیم سے ہی



انسانوں کا شوق رہا ہے مگر جنوبی فرانس کے علاقے لی پیان میڈوک میں واقع یہ گول ٹری ہاؤس اپنی مثال آپ ہے۔

اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں بلکہ ایک چھپنی ماحولیاتی تعطیلات کے خواہشمند افراد کو کرائے پر رہنے کے لیے

آئینوں کے منفرد ڈیزائن کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اپنے ارگرد کے مناظر



میں گم ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کا ڈیزائن لوگوں کو دنگ کر دیتا ہے اور یہ تعطیلات پر کرائے کے لیے دستیاب بھی ہوتا ہے۔

دریا کے پتھر پر ٹکا گھر، سربیا

سربیا کے دریائے ڈرینا کے عین وسط میں ایک ایسا انوکھا گھر موجود ہے جسے ایک ابھری



دیتی ہے تاکہ وہ قدرتی مناظر اور ماحول میں رہ کر لطف اندوز ہو سکیں۔

اسٹون ہاؤس، پرتگال

یہ ایک نجی جائیداد ہے جس کے ارگرد باڑ بھی لگی ہے، جسے دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ زمانہ دیم میں انسان غاروں میں کیسے رہتے ہوں گے کیونکہ یہ اسی خیال کو مد نظر رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ یہ تو



واضح نہیں کہ اس میں کون رہتا ہے مگر ایک بات واضح ہے کہ یہ لوگوں کی بہت زیادہ توجہ کا مرکز بنتا ہے جب ہی مالکان نے پرائیویٹ پراپرٹی کا ساٹن لگا رکھا ہے۔

ظروف میں بنا گھر، اسپین

وسطی اسپین کے علاقے سویکولاموس میں جیسے ہی کوئی جاتا ہے وہاں موجود گھروں کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے جو کہ ایک مشروب کے لیے استعمال کیے جانے والے بہت بڑے برتنوں یا ظروف میں تعمیر کیے گئے ہیں۔

یہ گھر بلغاریہ سے آنے والے ترک افراد نے تعمیر کیے جو یہاں ہر سال چھ ہفتے کے لیے پھلوں کو چننے کے لیے آتے ہیں اور اس دوران وہ اپنی راتیں ان عجیب گھروں میں گزارتے ہیں۔ کنکریٹ کے یہ بیرل نما گھران ورکرز کے لیے کسی جنت سے کم نہیں۔

چٹان تراش کا بنایا گیا گھر، میکسیکو
میکسیکو کی شمالی ریاست کواہیلیا میں ایک شخص بنتو ہرنانڈز نے ایک بہت بڑے چٹانی پتھر کو تراش کر ایک منفرد گھر کی شکل دے دی۔
بنتو اور اس کا خاندان گزشتہ تیس برسوں سے اس 131 فٹ بڑی چٹان کو اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کر رہا ہے جس کا نظارہ دیکھنے والوں کو حیران کر دیتا ہے۔

کروکوڈائل ہاؤس، آئیوری کوسٹ
ہو سکتا ہے کہ آئیوری کوسٹ جانے پر اگر آپ اس گھر کے پاس سے گزریں تو ایک جھٹکا لگے کہ اتنا بڑا مگر مجھ یہاں کیا کر رہا ہے مگر یہ تو ایک آرٹسٹ موسیٰ کالاؤ کی تخلیقی صلاحیت کا شکاہکار ہے جو انہوں نے تھیری عطانا می شخص کے لیے ڈیزائن کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسے ڈیزائن کرنے والے موسیٰ اس کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے ہی اس دنیا سے چل بسے تھے جسے بعد میں عطانا مکمل کیا۔

نزہت وسیم

ضرب المثل پہنی سولفظی کہانی



فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف اس کا
 باپ تھا، لرزتی ہوئی شفقت بھری آواز کے ساتھ التجا
 کی، تمہاری والدہ کی خواہش ہے، آج روزہ اس کے پاس کھولا
 جائے۔ اچانک اسے یاد آیا آج اس کے بیٹے کا بھی روزہ ہے۔ اس
 نے اپنے باپ سے معذرت کی، کام کی زیادتی کا بہانہ بناتے اس کے
 لہجے میں رکھائی در آئی۔ بازار سے سمو سے، فروٹ چاٹ اور دہی بھلے
 خرید کر گھر لوٹا۔ بیٹے پر شفقت بھری نگاہ ڈالی اور محبت سے پوچھا
 ”روزہ کیسا گزرا“
 بیٹے نے گیم سے نگاہ ہٹائے بغیر رکھائی سے کہا:
 ”ٹھیک“

حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی

محفوظ پناہ

شرارتی آدمیوں اور جنوں کو دشمن بنادیا جو کہ ایک دوسرے کو ملمع کی باتیں دھوکا دینے کے لئے سکھاتے ہیں.....

آپ نے قرآن پاک کی آخری سورت تو پڑھی ہوگی..... ”سورة الناس“..... اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ..... ”الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ“ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں..... ”الْوَسْوَاسِ“... بہت زیادہ وسوسے ڈالنے والا..... (یہ مصدر ہے مبالغہ کے لئے)..... الْخَنَّاسِ پیچھے ہٹ جانے والا، چھپ جانے والا..... یعنی وسوسہ ڈال کر غائب ہو جاتا

اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے محبوب اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم فرمایا کہ..... آپ جناتی شیطانوں اور انسانی شیطانوں کے شر سے..... اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں..... معلوم ہوا کہ شیاطین کی دو قسمیں ہیں (۱) انسانی شیطان (۲) جناتی شیطان..... قرآن پاک میں ایک اور جگہ بھی ان دونوں قسم کے شیاطین کا تذکرہ ہے.....

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِينَ
الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ
زُخْرَفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (الانعام ۱۱۲)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے

اور گناہ کی طرف بھاگنے لگتا ہے..... اور دین کا ہر کام اُسے قید اور مصیبت نظر آنے لگتا ہے..... اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا کہ اس کے علاج کے لئے قرآن پاک کی آخری سورت..... سورۃ الناس نازل فرمادی اور ہمیں سکھا دیا کہ..... میں تمہارا رب ہوں، میں تمہارا مالک اور حکمران ہوں اور میں تمہارا معبود ہوں..... تم فوراً میری پناہ میں آجاؤ..... تم جیسے ہی میری پناہ میں آؤ گے مکمل طور پر محفوظ ہو جاؤ گے..... پھر کوئی بھی شیطان..... خواہ وہ جن ہو یا انسان تمہیں اپنے وسوسوں کے جال میں نہیں پھنسا سکے گا..... کوئی بھی شیطان تم سے نور ایمان..... اور دل کے سکون کو نہیں چھین سکے گا..... کسی جادوگر کا جادو اور کسی نظر لگانے والے کی نظر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی..... اللہ اکبر کبیرا..... اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے بعد پھر کس کی ہمت ہے کہ..... وہ ہمیں نقصان پہنچا سکے.....

اس سے پہلے سورۃ الفلق میں چار چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے.....

(۱) تمام مخلوق کے شر سے (۲) اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے (۳) جادو کرنے والی عورتوں کے شر سے (۴) حاسدین کے شر سے جب وہ حسد پر اتر آئیں.....

قرآن پاک کی ان دو مبارک سورتوں

ہے..... اور پھر واپس ہو کر نئے وسوسے ڈالتا ہے..... ہر دن نیا وسوسہ، ہر گھڑی نیا شوشہ..... انسان جب ”ذکر اللہ“ میں لگے تو وسوسہ ڈالنے والا بھاگ جاتا ہے..... مگر جیسے ہی انسان غافل ہوتا ہے یہ دوبارہ وسوسہ ڈالنے پہنچ جاتا ہے..... اصل میں یہ کام تو شیطان کا ہے مگر کچھ انسان بھی بد قسمتی سے ”شیطان“ بن جاتے ہیں..... اور بعض اوقات انسان کا اپنا نفس بھی ”شیطان“ بن جاتا ہے اور ہر وقت پلٹ پلٹ کر وسوسوں کے حملے کرتا رہتا ہے..... شیطان..... خواہ وہ انسان ہو یا جن ان دونوں کا وسوسہ انسان کے لئے اتنا خطرناک ہے کہ..... اس کی وجہ سے انسان ہر برائی میں جا پڑتا ہے اور ہر سعادت سے محروم ہو جاتا ہے..... آپ دین کا کام کر رہے ہیں اور صبح و شام نیکیاں کما رہے ہیں..... اچانک کوئی جنتی یا انسانی شیطان آپ کو وسوسے میں ڈالتا ہے..... اگر آپ اس کا وسوسہ قبول کر لیتے ہیں تو..... فوراً دل سے تمام اطمینان ختم ہو جاتا ہے اور انسان مایوسی اور اندھیرے کے دلدل میں غوطے کھانے لگتا ہے..... جنات کی نظر تو سیدھی دل پر اثر کرتی ہے..... دھار والے نیزے سے بھی زیادہ تیز..... ایسی نظر لگتے ہی دل بے چین ہو جاتا ہے..... اور ایسی شدید تنگی اور الجھن ہوتی ہے کہ انسان سکون حاصل کرنے کے لئے نشے

کو ”معوذتین“ کہتے ہیں.....

پورا قرآن پاک جو عظیم نعمتیں ہم سب کو عطاء فرماتا ہے..... یہ نعمتیں کوئی دشمن ہم سے چھین نہ لے اس کے لئے قرآن پاک کے آخر میں..... حفاظت کی یہ دو سورتیں نازل فرمادیں..... جو مسلمان ان دو سورتوں کا اہتمام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں آجاتا ہے..... بعض مفسرین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ..... ہر مسلمان ان دو سورتوں کا بے حد محتاج ہے..... اور ان دو سورتوں کی ضرورت سانس لینے، کھانے پینے اور لباس پہننے سے بھی زیادہ ہے..... ان دو عظیم سورتوں پر تھوڑا آگے چل کر بات کریں گے اُس سے پہلے آپ مجھے ایک سوال کا جواب دیں..... کیا حضور اقدس ﷺ سے بڑھ کر کسی کی روحانی طاقت ہو سکتی ہے؟..... یقیناً آپ سب کا جواب یہی ہوگا کہ نہیں، ہرگز نہیں..... اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ روحانی طاقت اپنے محبوب تاجدار حرمین ﷺ کو عطاء فرمائی ہے..... پھر تھوڑا سا اندازہ لگائیے کہ..... جس جادو نے آپ ﷺ پر بھی اثر کر لیا وہ کتنا خوفناک اور طاقتور جادو ہوگا؟..... یقینی بات ہے کہ اگر وہ جادو مجھ پر یا آپ میں سے کسی پر ہو جاتا تو اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا..... آج کل کوئی ایسا جادوگر نہیں جو اتنا تیز اور سخت جادو کر سکے..... ہم سب جانتے ہیں کہ مدینہ منورہ

کے ایک یہودی لبید بن اعصم نے آپ ﷺ پر جادو کیا..... یہ شخص اصل میں تو کافر تھا مگر ظاہری طور پر خود کو مسلمان قرار دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا جاتا تھا..... قصہ طویل ہے اور آپ نے بار بار سنا ہوگا..... اصل بات یہ ہے کہ اتنے سخت جادو کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں..... اور ان دو سورتوں نے اُس جادو کو جڑ سے کاٹ دیا..... معلوم ہوا کہ..... یہ دو سورتیں سب سے سخت جادو کو بھی توڑ دیتی ہیں تو پھر آج کے مسلمان کیوں ہر در کے دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور ان دو سورتوں سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟..... دراصل یقین، توکل اور ایمان کی کمزوری ہے..... آپ کے پاس کوئی مسلمان آئے اور بتائے کہ مجھ پر جادو ہے آپ اُسے یہ دو سورتیں بتادیں وہ فوراً مایوس ہو جائے گا..... کہ مجھے کوئی بڑا علاج ہی نہیں بتایا استغفر اللہ، استغفر اللہ..... اس کی جگہ آپ اُس کو چند تعویذ دیں کہ ان کو یوں موم لگانا، فلاں پانی چھڑکنا..... کسی چراغ میں جلانا..... پھر دور دریا میں ڈالنے جانا..... وہ خوش ہوگا کہ اب ٹھیک علاج جارہا ہے..... اناللہ وانا الیہ راجعون..... اللہ رب العزت کا عظیم کلام تو مسلمانوں کی نظر میں کچھ نہیں..... اور اُلٹے سیدھے نفسیاتی شعبہ کو وہ بہت بڑی طاقت سمجھتے ہیں..... بندہ دعوے کے

ساتھ عرض کرتا ہے کہ دنیا بھر کے عاملوں کے عملیات، اُن کے تعویذ، اُن کے چراغ اور اُن کے شعبہ، ان کے دھاگے اور فلیتے ان دو مبارک سورتوں کی ایک آیت کے کروڑ ویں حصے جتنی طاقت بھی نہیں رکھتے..... لوگوں کو جو ظاہری فائدہ محسوس ہوتا ہے وہ محض نفسیاتی اور ذہنی ہوتا ہے..... روحانی فائدہ تو روحانیت کے مرکز قرآن پاک سے ہی مل سکتا ہے.....

اخبار میں جاپان کے کسی چالاک تاجر کا قصہ لکھا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنی پسندیدہ فلم دکھانے لے گیا..... دوران فلم بیوی کے سر میں شدید درد ہوا وہ کراہنے لگی..... تاجر درمیان سے اٹھ کر جانا نہیں چاہتا تھا اس نے فوراً عاملوں والا حربہ استعمال کیا..... بیوی سے کہنے لگا میں امریکہ گیا تھا وہاں ایک ڈاکٹر نے مجھے بہت ہی مہنگی گولی بتائی کہ..... بس منہ میں ڈال کر بیٹھ جاؤ جیسا بھی درد ہو فوراً ٹھیک ہو جاتا ہے..... وہ کافی دیر اس گولی کی اہمیت، فوائد اور قیمت بتاتا رہا اور پھر اپنی قمیص کا ایک بٹن توڑ کر بیوی کے منہ میں ڈال دیا..... دو منٹ بعد بیوی نے لمبا سانس لیا اور کہا عجیب گولی ہے، درد کا تو نام و نشان ہی ختم کر دیا..... آہ مسلمان! تیرے پاس قرآن پاک ہے پھر بھی کبھی مزاروں کے دھکے، کبھی عاملوں کے چکر..... کبھی دور دراز کی درگاہوں کی ذلت اور کبھی دھوکے بازوں کی

منت اور سماجت..... اچھا ایک اور بات بتائیں..... حضور اقدس ﷺ کے مبارک زمانے کے کافر اور منافق جتنے سخت تھے..... کیا ویسے سخت کافر اور منافق کسی اور زمانے میں ہو سکتے ہیں؟..... یقیناً آپ سب کا جواب ہو گا کہ..... ہرگز نہیں..... وہ کافر واقعی بہت سخت اور ظالم تھے..... آہ میرے محبوب آقا ﷺ کے رخ انور کو دیکھ کر بھی جن کا کفر اور نفاق نہ پگھلا..... اُن جیسا سخت بد نصیب اور کون ہو سکتا ہے؟..... ان کافروں اور منافقوں میں بہت سے ”الْمُسَوَّاسِ الْخَنَاسِ“ بھی تھے..... جی ہاں وسوسے ڈالنے والے..... اسلام کے خلاف، رسول اللہ ﷺ کے خلاف..... اور دین کے خلاف..... کبھی مسلمان ہو جاتے پھر کافر ہو جاتے تاکہ اپنے ساتھ اوروں کو بھی گھسیٹ کر لے جائیں..... صحابہ کرامؓ سے ملاقاتیں کر کے..... اپنے وسوسے اُن میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے اور طرح طرح کے الزامات اور طرح طرح کا رونا روتے..... اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ دو سورتیں عطاء فرمائیں..... ان دو سورتوں میں ہر طرح کی جسمانی اور روحانی آفتوں سے حفاظت کا سامان ہے..... حضرات صحابہ کرامؓ نے ان مبارک سورتوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور ہر طرح شیطان سے الحمد للہ محفوظ رہے..... آج بھی تمام مسلمان کو عموماً اور دین کا کام کرنے والوں کو خصوصاً ان دو سورتوں سے فائدہ

اٹھانا چاہئے..... اب ان دو سورتوں کے بارے میں اگلی عبارت خوب غور سے پڑھیں..... بلکہ کوشش کریں کہ دو بار پڑھ لیں..... مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ کے بہت سے مسائل انشاء اللہ حل ہو جائیں گے.....

”حافظ ابن قیمؒ نے معوذتین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان دونوں سورتوں کے منافع و برکات بے شمار ہیں اور سب لوگوں کو ان کی حاجت و ضرورت ہے..... کوئی ایک انسان بھی ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا..... ان دونوں سورتوں کو سحر، نظر بد، آفات جسمانی اور امراض روحانی کے دور کرنے میں تاثیر عظیم ہے..... اور حقیقت کو سمجھا جائے تو انسان کو ان کی ضرورت سانس لینے، کھانے پینے اور لباس پہننے سے بھی زائد ہے..... یہ تو ہر مؤمن کا عقیدہ ہے کہ دنیا و آخرت کے منافع و نقصانات سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، بغیر اس کی مشیت کے کوئی کسی کو ذرہ برابر نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان..... اس لئے دنیا و آخرت کی تمام آفات سے محفوظ رہنے کی اصل صورت یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دے..... اور اپنے عمل سے اس کی پناہ میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرے..... ان دو سورتوں میں سے پہلی سورت (الفلق) میں تو دنیوی آفات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے..... اور

دوسری سورت (الناس) میں اخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے..... یا یہ کہیے کہ سورہ فلق میں جسمانی شرور سے اور سورہ ناس میں روحانی آفات سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے..... مستند احادیث میں ان دو سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں.....“ (درسی تفسیر ص ۴۸۵)

انشاء اللہ رنگ و نور کی کسی مجلس میں..... ان دو سورتوں کے مسنون فضائل اور کچھ مجرب طریقے عرض کر دیئے جائیں گے..... فی الحال تو اس عظیم خزانے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ..... مسلمان اس کی قدر و قیمت کو پہچانیں..... جو لوگ جادو، نظر یا وساوس میں مبتلا ہیں..... وہ روز آئے سو بار ان دو سورتوں کا اہتمام کریں..... جو اپنے دینی کاموں اور جماعت کے بارے میں وساوس میں مبتلا ہیں وہ بھی یہ عمل پوری توجہ سے کریں..... اور دونوں سورتیں ہر بار بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ پڑھیں..... اور پہلی مرتبہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بھی پڑھ لیں..... فتنوں کی کثرت کی وجہ سے کم از کم صبح شام گیارہ بار، یا سات بار ان دو سورتوں کا ہر مسلمان کو اہتمام کرنا چاہئے..... ورنہ تین بار تو کبھی ناغہ نہ کریں..... ایک بات اور یاد رکھیں کہ ”عمل“ وہی ہوتا ہے جسے انسان خود کرے..... بے شک دوسروں کے دم کرنے

سے بھی اثر ہوتا ہے مگر وہ تو اس دم کرنے والے کا عمل ہوا..... اب اگر اُس کے دل میں اخلاص، تقویٰ اور آپ کے لئے خیر خواہی ہے تو آپ کو بھی فائدہ پہنچے گا..... اور اگر اُس کی نظر صرف آپ کی جیب پر ہے تو ایسے عمل سے کیا مل سکتا ہے..... ہمارے معاشرے میں آج کل دونوں طرح کے عامل موجود ہیں..... صاحب نسبت مخلص بھی اور محض پیشہ ور بھی..... لیکن جب آپ خود پڑھیں گے تو یہ آپ کا ”عمل“ ہوگا..... اور اصل ”عمل“ ہوتا ہی وہی ہے جو انسان خود کرے..... ایسا ”عمل“ انشاء اللہ ضرور کارگر ہوگا..... آپ سوچیں گے کہ کرکٹ کا میدان گرم ہے..... اور سیکی فائل کا میچ دشمن ملک میں ہو رہا ہے..... ہمارے وزیراعظم صاحب بھی سچ دھج کر اس مقتل میں جائیں گے..... اس پر تو ایک کالم ہونا چاہئے تھا..... دراصل بات یہ ہے کہ آج پیر کا دن ہے..... اخبار بدھ کے دن شائع ہوگا اور آپ حضرات تک جمعرات یا جمعہ کو پہنچے گا..... اُس وقت تک تو ہاتھ دھل چکے ہوں گے..... ہم کرکٹ کے خلاف جتنا لکھیں، مسلمان باز نہیں آتے..... یہ کھیل بھی مستقل شیطانی وسوسہ ہے اس لئے اس کا علاج بھی یہی ہے کہ..... اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جائے..... بعض لوگ سوچتے ہیں کہ ہم نے تیونس اور مصر کے مظاہروں کی حمایت کی جبکہ..... بحرین کے

مظاہروں پر کچھ نہیں لکھا تو ایک بات بالکل صاف صاف عرض ہے..... ہم نہ جمہوریت پسند ہیں اور نہ بادشاہت پسند..... ہم تو صرف اور صرف خلافت پسند، اسلام پسند، جہاد پسند اور توحید پرست ہیں..... ہماری حمایت یا مخالفت کا معیار کوئی طرز حکومت نہیں بلکہ اسلام ہے..... جہاں ہمیں اسلام کا فائدہ قریب یا دور نظر آئے گا وہاں حمایت کریں گے..... اور جہاں نقصان نظر آئے گا وہاں مخالفت کریں گے..... اندھی حمایت نہیں کہ جو بھی ڈنڈا اٹھا کر کھڑا ہو جائے ہم اُس کے پیچھے تالی بجا دیں..... ”سوریا“ یعنی ”شام“ میں جو مظاہرے ہو رہے ہیں ہم دل و جان سے اُن کے حامی ہیں..... اور دل کی گہرائیوں سے دعاء کرتے ہیں کہ..... اللہ تعالیٰ ملک شام کو آزادی نصیب فرمائے..... حافظ الاسد اور اب اُس کے بیٹے بشار الاسد نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ کسی بھی طرح..... تاتاری مظالم سے کم نہیں..... اللہ کرے ان بدعقیدہ بھیڑیوں کا اقتدار جلد ختم ہو اور ملک شام دوبارہ عالم اسلام کی تگ و تاز کامرکز بن جائے..... آمین یا ارحم الراحمین

اللهم صل علی سیدنا محمد والہ
وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا



فرشتہ صفت انسان



زید احمد زیدی

آتے جاتے لوگوں کو حیرت سے دیکھنے لگا۔
”یہ لوگ کتنے مصروف ہیں۔ ان کے لئے
ایک دوسرے سے بات کرنے کے لیے وقت بھی
نہیں ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے کاموں میں
مصروف ہے“ اس نے اپنے دل ہی دل میں کہا۔
وہ اپنے خیالوں میں گم تھا کہ اچانک وہ بیچ
ٹوٹ گئی جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا وہ بھی زمین پر گر
پڑا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور اپنے پرانے کپڑوں
پر ہاتھ پھیرنے لگا تاکہ دھول اتر جائے اور اس
کے بعد وہ گھر کی جانب چل دیا۔

☆☆☆

ایک شام جب وہ محنت مزدوری سے فارغ
ہو کر واپس گھر کی طرف آ رہا تھا تو موسم نے اپنے
تیور بدل لیے۔ تیز تیز ہوا چلنے لگی اور کچھ ہی دیر میں
طوفانی بارش بھی شروع ہو گئی۔ اس کا گھر ایک
کمرے اور کچن کے چھوٹے سے احاطے پر مشتمل

حامد ایک غریب خاندان کا چشم و چراغ تھا۔
اس کی عمر تقریباً سترہ سال تھی۔ بد قسمتی سے اس کے
ماں، باپ وفات پا چکے تھے۔ اس کی ماں تو اس کی
پیدائش پر ہی وفات پا گئیں اور کچھ سال کے بعد اس
کے والد صاحب بھی اس جہان فانی سے رخصت
ہو گئے۔ اب اسے سہارا دینے کے لیے کوئی نہ تھا۔
اس نے مزدوری وغیرہ کرنا شروع کر دی۔
وہ صبح سویرے اٹھتا، نماز ادا کرتا اور کھانا کھا کر کام
کے لیے چل پڑتا۔ وہ وہاں جا کر کام کرتا اور جو
معاوضہ ملتا اس سے بڑی مشکل سے اپنا گزر بسر
کرتا تھا۔ حامد ایک خود دار اور نیک نوجوان تھا
جو کبھی کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا چاہے کتنی بھی بڑی
مشکل کیوں نہ آجائے۔

☆☆☆

ایک دن وہ فٹ پاتھ پر آرام سے چل رہا
تھا۔ فٹ پاتھ پر کھی ایک بیچ پر جا کر بیٹھ گیا اور

کرے گا۔ انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
قاضی صاحب نے بھی اپنی استطاعت کے مطابق
تعاون کی حامی بھر لی۔ قاضی صاحب وہاں سے
چلے گئے۔ اس نے کیسے بھی کر کے رات گزار لی۔

☆☆☆

صبح سویرے قاضی صاحب اس کے گھر
آگئے اور اپنے ساتھ تعاون کے لیے کچھ رقم بھی
ساتھ لائے تھے۔ اس نے بھی اپنے کام میں سے
کچھ پیسے اکٹھے کیے ہوئے تھے تاکہ مشکل وقت میں
کام آسکیں۔ شہر اس کے گھر سے کچھ ہی مسافت پر
تھا۔ شہر جا کر انھوں نے چھت کی مرمت کا سامان
خریدا اس کے بعد وہ سامان کو اکٹھا کر کے گھر کی
طرف لے آئے۔

اب ایک مستری کی ضرورت تھی جو چھت کی
مرمت کر سکے۔ محلے کے ایک مستری کو بلایا گیا۔
اس نے حامد کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے
پورے دن کا کام کیا لیکن معاوضہ صرف آدھے
دن کا لیا۔ چھت کی مرمت مکمل ہو گئی۔ اس نے
قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور دل ہی دل میں
سوچا کہ وہ قاضی صاحب کے پیسے لوٹا دے گا۔

☆☆☆

کچھ دن کے بعد وہ اپنے ساتھ کچھ رقم لے کر
قاضی صاحب کے گھر گیا مگر قاضی صاحب نے
پیسے لینے سے انکار کر دیا کہ ”میں نے تو یہ رقم صرف
اور صرف تعاون کے طور پر دی تھی اور تعاون کے
پیسے واپس نہیں لئے جاتے۔“ قاضی صاحب نے

تھا۔ بارش اور بھی تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ وہ
بھیکے بدن کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوا۔ وہ
اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا لیکن اسے کچھ یاد آیا
تو وہ کچن کی طرف لپکا۔ جیسے ہی وہ کچن میں داخل
ہوا تو ایک بلند و بالا آواز اس کے کانوں میں
گو نجی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے کمرے کی
چھت گر چکی ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا
کہ پہلے تو وہ کمرے کی طرف جا رہا تھا اور بعد میں
کچن کی طرف آیا جس سے اس کی جان بچ گئی۔

☆☆☆

تھوڑی دیر کے بعد بارش تھم گئی اور اس کے
ایک ہمسائے نے دیکھا کہ حامد کے گھر کی چھت گر
گئی ہے تو وہ فوراً اس کے گھر کی طرف آیا۔ وہ ایک
مددگار اور نیک انسان تھے جنھیں لوگ پیار سے
قاضی صاحب کہتے تھے۔ وہ ابھی تک چھت کے
بارے میں سوچ رہا تھا۔

”کہاں ہو؟ بیٹا!“ قاضی صاحب نے کہا۔

”میں یہاں ہوں“ اس نے کہا۔

”تم ٹھیک تو ہو؟“ انھوں نے کہا۔

”میں ٹھیک ہوں مگر آپ؟“ اس نے کہا۔

”بیٹا! چھت تو مکمل طور پر گر چکی ہے“ قاضی

صاحب نے کہا۔

”میں یہی سوچ کر پریشان ہوں کہ اب

چھت کیسے مرمت کرونگا۔“ اس نے کہا۔

”تمہیں پریشان نہیں ہونا اللہ تعالیٰ بہتری

کہا۔ جب حامد کے مسلسل کہنے پر بھی انھوں نے رقم نہ لی تو وہ گھر واپس آگیا۔

☆☆☆

ایک دن جب وہ مزدوری سے واپس آیا تو تھوڑی ہی دیر بعد قاضی صاحب تشریف لے آئے۔
”السلام علیکم! کیسے ہو؟“ قاضی صاحب نے کہا۔
”وعلیکم السلام! اللہ کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟“ اس نے قاضی صاحب کو دیکھتے ہی کہا۔

”میں بھی ٹھیک ہوں۔“ تھوڑی دیر گپ شپ کرنے کے بعد تھوڑی دیر انھوں نے اس سے کہا کہ ”بیٹا! اگر میں تم سے ایک بات کہوں تو کیا تم برا تو نہیں مانو گے؟“

”جی! بالکل آپ حکم کریں۔“ اس نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

”تمہارے والدین تو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا رشتہ دار جو تمہیں سہارا دے۔ اگر تم چاہو تو میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرنے کو تیار ہوں۔“ قاضی صاحب نے کہا۔

حامد نے سر جھکا لیا اور اس کے سر جھکانے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی طرف سے ہاں ہے۔ اس کی شادی قاضی صاحب کی بیٹی سے ہوگئی۔ وہ آپس میں بہت خوش تھے اور قاضی صاحب بھی ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔

☆☆☆

ایک دن جب وہ کام کرنے کے لیے گیا تو

وہاں جا کر کام کیا اور چھٹی کے وقت اسے ایک آدمی نے آکر کہا کہ مالک اسے بلارہا ہے۔ وہ بڑا پریشان ہو گیا کہ اس نے کون سی غلطی کر دی ہے۔ جب وہ مالک کے کمرے کے اندر گیا تو اس کا مالک ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

”السلام علیکم!“ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

”وعلیکم السلام!“ انھوں نے جواباً کہا۔

”جی! آپ نے بلایا تھا۔“ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

”دراصل مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔“ انھوں نے کہا۔

”جی! فرمائیں۔“ اس نے کہا۔

”تم کافی دنوں سے میرے پاس کام کر رہے ہو اور میں نے تمہاری ایمانداری کی وجہ سے آج

تمہارا معاوضہ بڑھا دیا ہے۔“ انھوں نے کہا۔

”بہت بہت شکریہ۔“ اس نے کہا۔

”اب تم جاسکتے ہو۔“ انھوں نے کہا اور وہ

وہاں سے واپس اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

جب قاضی صاحب نے اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کیا تھا تو وہ بہت کم کماتا تھا مگر آخر کار اس کی

محنت رنگ لائی اور اب وہ اللہ کے فضل و کرم

سے اتنا کمالیتا کہ خوشی خوشی اپنا گزر بسر کر سکے۔ کچھ

دیر کے بعد وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا

دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

☆☆☆

☆☆☆

عبدالمجید شاکر

دگنی عیدی



دادا جان نے ایک نظر سامنے بیٹھے بچوں پر
ڈالی، عینک اتار کر میز پر رکھی اور آہستہ
سے بولے۔

”خیریت تو ہے؟ اس عید پر کیا
پروگرام ہے جو اتنی عیدی مانگی جا
رہی ہے؟“

”پروگرام تو کوئی اتنا خاص نہیں۔“
عفان نے کہا۔

”پھر اس بار عیدی میں اتنا اضافہ؟ اس کا کیا
مقصد ہے؟“ انہوں نے استفسار کیا۔
”وہ بس ایسے ہی۔“ عفان ہنس پڑا۔
”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ ہے دادا ابو! ہم اس عید پر دگنی
عیدی وصول کریں گے۔“ عائشہ بولی۔
”وہی تو پوچھ رہا ہوں، آخر کیوں؟“
دیکھو بھئی! جب تک تم انہیں بتاؤ گے کہ تم
ان پیسوں کا کیا کرو گے، اس وقت تک ہماری
طرف سے وعدہ ہر گز نہیں ہوگا۔“
تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”دادا ابو! اس عید پر میں آپ سے پانچ ہزار
روپے عیدی لوں گا۔“ عفان نے مسکراتے
ہوئے کہا۔
”میں بھی دو ہزار لوں گا۔“ حسان نے
جلدی سے کہا۔
”اگر یہ بات ہے تو میں بھی اتنی ہی عیدی
لوں گی۔“ عائشہ بولی۔



”وہ یہ کہ ہمیں عید کی نماز کے فوراً بعد ملنی چاہیے۔“

”ٹھیک ہے، ایسا ہی ہوگا۔ میں سب سے کہہ دوں گا۔“

”ایک بات اور بھی ہے۔ عید لے کر میں اور عفاں گھر سے چلے جائیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ آپ لوگوں سے عید مل کر، پھر ظہر کی نماز کے بعد لوٹیں گے۔“

اس کی بات سن کر دادا جان اور ابا جان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر ابا جان بولے۔

”تم یہ وقت کہاں گزارو گے؟“

”یہ بات بھی نہیں بتا سکتے؟“ عفاں نے کہا۔

”عائشہ تم بھی نہیں بتاؤ گی؟“

”ایسا ہی ہوگا۔ تم فکر نہ کرو!“ وہ بولی۔

”گویا عائشہ کو معلوم ہے کہ تم یہ وقت کہاں گزارو گے؟“ ابا جان نے کہا۔

”جی ہاں! اسے معلوم ہے۔ چونکہ یہ بڑی ہے،

اس لئے ہمارے ساتھ نہیں جائے گی، گھر پر ہی رہے گی۔“ عفاں کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔

”لگتا ہے کوئی چکر چلا رہے ہو؟“ ابا جان نے کہا۔

”یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ ہم کیا کرنے والے ہیں۔“

☆☆☆

عید کے دن بارہ بجے کا وقت تھا۔ گھر کے

سارے لوگ بڑے کمرے میں موجود تھے۔ ایک

طرف دادا جان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے دائیں

آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوئے، پھر عفاں کہنے لگا۔

”ہم معافی چاہتے ہیں دادا جان! ہم آپ کو وقت سے پہلے کچھ نہیں بتا سکتے۔“

اس دوران ان کے والد بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ انہیں یہ بات معلوم ہوئی انہوں نے بھی کہا۔

”ایسی بات ہے تو پھر ہم بھی دگنی عید دینے کا وعدہ نہیں کرتے۔“

”ایسے نہ کہو عبد القدوس؟“

دادا ابو نے پیٹے کو ٹوکا۔

”تو آپ انہیں دگنی عید دیں گے؟“

عبد القدوس سر اپا حیرت تھے۔

”یہ اب چھوٹے بچے نہیں ہیں، ہائی اسکول

کے طالب علم ہیں۔ مدرسے بھی پڑھنے جاتے ہیں۔ دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی

حاصل کر رہے ہیں۔ یہ مجھے بہت پیارے ہیں اور ہمیں اپنے بچوں پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ مجھے یقین

ہے، یہ کبھی کوئی غلط کام نہیں کر سکتے۔“

”لیکن ابا جان!“

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، رقم

کے استعمال کے بعد یہ تفصیل ہمیں بتائیں گے۔“

”بالکل دادا ابو! ہم پیسوں کے استعمال کے

متعلق ضرور آپ لوگوں کو بتائیں گے۔“ احمد علی

نے جلدی سے کہا۔

”دادا جان! ایک بات اور ہے۔“ عفاں بولا۔

”وہ کیا؟“

آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا۔

”دادا جان! عید خوشی کا موقع ہے، ہم ہر سال اس دن کو شاندار طریقے سے مناتے ہیں، دعوتیں اڑائی جاتی ہیں۔ طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں اور عزیز واقارب کے ساتھ مل کر کھانے کھائے جاتے ہیں، ہر چہرہ خوشی سے چمک رہا ہوتا ہے۔ ہم اس موقع پر یا اس جیسے دوسرے موقعوں پر غریبوں کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ مساکین اور غریب لوگ ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ ہمیں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔

عید کے موقع پر اگر تھوڑی سی ہمت کی جائے تو ہم بہت سے مرجھائے چہروں پر خوشی لا سکتے ہیں۔ اس دفعہ ہم تینوں نے اپنی عیدی ایسے ہی لوگوں میں بانٹنے میں خرچ کی ہے۔ ہم نے محلے میں، گلیوں میں، آس پاس کی بستیوں میں ایسے مستحق لوگوں کو تلاش کیا اور ان کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آئندہ بھی ایسے کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔“

عفان خاموش ہو گیا۔ اس کی باتوں نے سب پر جیسے جادو سا کر دیا تھا۔ سب انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

عائشہ اور حسان خاموش تھے۔ ابا جان، دادا جان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دادا جان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ان کے پوتوں اور پوتی نے ان کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔

☆☆☆

طرف بیٹے عبد القدوس اور بائیں جانب بھائی جان موجود تھے۔ عائشہ امی اور دو بڑی بہنوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

”عائشہ! تمہارے بھائی آخر کہاں گئے ہیں؟“
 ”امی جان! وہ بہت اہم کام کے لیے گئے ہیں۔“
 ”عید کے دن کام پر؟ کیا کہہ رہی ہو؟ کون سے کام پر گئے ہیں؟“ کام کا لفظ سن کر وہ پریشان ہو گئیں۔
 ”گھبرائیے نہیں، وہ بہت جلد لوٹ آئیں گے۔“ عائشہ کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی اور پھر وقت گزرنے لگا۔

ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے نماز ادا کی۔ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ عفان اور حسان بھی آگئے۔ ان کے چہروں پر خوشی دوڑ رہی تھی۔ ایک سکون سا تھا۔ جیسے وہ کوئی بہت بڑی کامیابی حاصل کر کے آئے ہوں۔

”آج تم نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ انتظار کی سولی پر سارا دن لٹکائے رکھا۔“ ابو کے لہجے میں شکایت تھی۔

”بھائی! کام تو ہو گیا ناں؟“ عائشہ ان کے قریب جا کر بولی۔

”ہاں، الحمد للہ۔“ وہ دونوں مسکرائے۔
 ”آپس میں ہی باتیں کرتے رہو گے یا ہمیں بھی کچھ بتاؤ گے؟“ دادا جان بولے۔

”بتاتا ہوں، بس ابھی بتاتا ہوں“ عفان نے کہا اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے، پھر اس نے

محمد ارقم

خواتین



اس خاتون کا شوہر ہنسا اور کہتا:

”اپنے گھر کی بات تو سمجھ آتی ہے، لیکن یہ گھر کے آگے نہر ہونے کا کیا مطلب؟، اس صحرائی علاقے میں نہر کہاں سے آئے گی۔۔۔؟“

بیوی اسے جواباً کہتی:

”آپ کو اس سے کیا غرض، یہ ہمارا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے، آپ بیچ میں مت آئیے۔۔۔!!، وہ رب تو کہتا ہے:

”مجھ سے جو مانگو، میں عطا کروں گا، ہم تو جو جی میں آئے گا، مانگیں گے۔۔۔!! اور بار بار مانگیں گے۔“

غرض وہ اسی طرح بچوں کو اکٹھا کرتی اور خود بھی دعا کرتی اور بچوں سے بھی کرواتی۔ رمضان

یہ سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض شہر کا واقعہ ہے۔ ایک نیک خاتون رمضان المبارک کے مہینے میں ہر روز افطار سے پہلے تمام بچوں کو اکٹھا کرتی اور ان سے کہتی کہ جو کچھ میں کہوں اور کروں، تم بھی وہی کہنا اور کرنا، پھر وہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتی اور کہتی۔۔۔!

”یا الہی! ہمیں اپنا گھر عطا کر جس کے آگے ایک نہر ہو۔۔۔!“

تمام بچے بھی ہاتھ اٹھاتے اور کہتے

”یا الہی! ہمیں اپنا گھر عطا کر جس کے آگے ایک نہر ہو۔۔۔!“

صاحب کہنے لگے:

”اگر آپ کی تسلی قیمت دیئے بغیر نہیں ہوتی تو جتنی رقم آپ آسانی سے دے سکتے ہیں، دے دیجئے۔۔۔!!“

خیر ہم نے کچھ اپنے پاس اور کچھ ادھر ادھر سے جو رقم اکٹھی کی وہ کم و بیش 8 ہزار ریال بن گئے، وہ رقم ہم نے اس آدمی کے حوالے کر دی، اب ہم اس آدھے مکان کے مالک بن گئے تھے۔ مکان ریاض شہر کے ایک ماڈرن علاقے میں واقع تھا، سچ ہے کہ جو انسان سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی پکار ضرور سنتا ہے۔

لیکن! ایک بات نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ میں نے اللہ سے جو گھر مانگا تھا اس کے آگے نہر ہونی تھی، مکان تو مل گیا، پر اس کے آگے نہر نہیں تھی۔

میں نے ایک عالم دین سے پوچھا کہ ”اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ مجھ سے جو مانگو میں تمہیں عطا کروں گا، میں نے اللہ سے نہر کنارے گھر مانگا تھا، گھر تو مل گیا، لیکن نہر نہیں ملی۔!“

اُن عالم دین کو میری دعا اور میرے ایقان قبولیت پر بڑی حیرت ہوئی، انہوں نے دریافت کیا: ”اسوقت آپ کے گھر کے سامنے کیا ہے۔۔۔؟“

میں نے کہا:

”اسوقت ہمارے گھر کے سامنے ایک

المبارک بیت گیا۔ ایک دن اس کے شوہر نے کہا ”اب بتاؤ، کہاں ہے تمہارا اپنا گھر، اور کہاں ہے وہ نہر۔۔۔؟“

خاتون نے بڑے یقین سے جواب دیا: ”اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارا گھر ضرور دے گا، وہ ہماری تمام مرادیں پوری کرے گا۔“

اس سے اگلا واقعہ وہ خود بیان کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ:

”میں شوال کے چھ روزے رکھ کر فارغ ہوئی تھی کہ ایک روز بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔۔۔!!“

میرے شوہر عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ ریاض کے ایک امیر آدمی نے ان کا راستہ روکا، میرے شوہر انھیں جانتے تک نہ تھے اس آدمی نے انہیں سلام کیا اور کہا۔۔۔!

”میرے پاس ایک گھر ہے، آدھے گھر میں تو میں اپنے والد کے ساتھ رہتا ہوں، مگر گھر کا دوسرا نصف حصہ خالی پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میری اولاد کو اپنے فضل و کرم سے بہت نوازا ہے، ہمیں اس آدھے گھر کی ضرورت نہیں۔ آج اس ارادے سے گھر سے نکلا تھا کہ نماز عصر کے بعد مسجد سے نکلنے والے پہلے آدمی کو میں وہ آدھا گھر ہدیہ دے دوں گا، یوں آپ سے ملاقات ہوئی تو گزارش ہے کہ میرا آدھا گھر ہدیہ قبول فرمائیں۔۔۔!!“

بلا قیمت مکان لیتے ہوئے ہمیں تردد ہوا، وہ

میری آنکھوں سے خوشی اور شکر کے آنسو روا
تھے، بیشک میرے رب نے نہر کے سامنے گھر عطا
کر دیا تھا..!!

خوبصورت مسجد ہے۔۔!!
عالم دین مسکرائے اور فرمایا:
”یہ نہر ہی تو ہے۔۔!!“

سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم

پھر انہوں نے میرے سامنے یہ حدیث

ضروری اعلان

اطلاع کی جاتی ہے کہ مسلمان بچے خریدنے کے لیے آن لائن
ٹیمنٹ کا طریقہ کار فی الحال عارضی طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ برائے
مہربانی اشتہار میں دیئے گئے نمبر پر ہرگز پیسے نہ بھیجیں۔
انشاء اللہ مسلمان بچے کی آن لائن ترسیل کا نظم بہت جلد بہتر کر
کے اطلاع کر دی جائے گی۔

بشکریہ ادارہ



مسلمان بچے

کے قارئین کے لئے ایک زبردست سہولت

ایک مسلمان بچے پر سالانہ قیمت 90
روپے مع ڈاک خرچ
اور سالانہ 1080 روپے میں مع
ڈاک خرچ ہے

ہمارے قارئین کو کچھ عرصہ سے مسلمان بچے کے حصول میں کافی
مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ ان شاء اللہ اب آپ آسانی سے ہمارے
سالانہ خریدار بن سکتے ہیں یا اگر کسی کو صرف مخصوص مہینے کا شمارہ درکار ہو
تو اس کی بھی سہولت موجود ہے۔



آپ ہم سے شمارے تحریریں حاصل کر سکتے ہیں۔
تو دیر کس بات کی آج ہی آرڈر کیجئے
رقم آن لائن کر کے رسید میں وائس اپ پر بھیج دیں

0301 7635 763
0326681415

نوٹ: اگر کوئی شخص ہمارے شمارے نہیں چاہتا تو اسے ہم سے مطلع کرنا ضروری ہے۔

مبارکہ بیان کی کہ۔۔!!
حدیث میں نبی
ﷺ نے ایک صحابی
سے فرمایا کہ:
”آدمی کا گھر نہر
کنارے ہو اور وہ اس
میں روزانہ پانچ مرتبہ
غسل کرے تو کیا اس
کے بدن پر میل پچھل
رہے گا؟“

صحابہ کرام رضی اللہ
عنہما نے جواب دیا:
”نہیں یا رسول
اللہ، اس کے بدن پر
میل پچھل باقی نہیں
رہے گا۔“ فرمایا، یہی
حال پانچ نمازوں کا
ہے، ان کے ذریعہ
اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا
ڈالتا ہے۔۔!!“

واردات



ایک نہایت شاطر اور ماہر چور نے چوری کی خاطر، مہنگا لباس زیب تن کر کے معزز اور محترم دکھائی دینے والے شیخ جیسا حلیہ بنایا اور صرافہ بازار میں سنار کی ایک دکان کے اندر چلا گیا۔ سنار نے جب اپنی دکان میں وضع قطع سے نہایت ہی رئیس اور محترم دکھائی دینے والے شیخ کو دیکھا جس کا نورانی چہرہ چمک رہا تھا تو سنار کو ایسا لگا جیسے اس کی دکان کے بھاگ جاگ اٹھے ہوں۔ اسے پہلی بار اپنی چھوٹی سی دکان کی عزت و وقار میں اضافے کا احساس ہوا۔

زنیرہ جیں

سنار نے آگے بڑھ کر شیخ کا استقبال کیا۔

عیال کے لیے خیر و برکت کی دعا کے لیے کہا۔ سنار نے جب یہ منظر دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں کہنے لگا: اے محترم شیخ لاعلمی کی معافی چاہتا ہوں مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں ہے۔ لڑکی نے یہ سن کر تعجب کا اظہار کیا اور سنار سے مخاطب ہو کر کہنے لگی:

تم کیسے بد نصیب انسان ہو، برکت، علم، فضل اور رزق کا سبب خود چل کر تمہارے پاس آ گیا ہے اور تم اسے پہچاننے سے قاصر ہو۔

لڑکی نے شیخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ

شیخ کے بہروپ میں چور نے کہا: آپ سے آج خریداری تو ضرور ہوگی مگر اس سے پہلے بتائیں کیا آپ کے لیے ممکن ہے کہ آپ اپنی سخاوت سے ہمارے ساتھ مسجد بنانے میں حصہ ڈالیں؟ اس نیک کام میں آپ کا حصہ خواہ ایک درہم ہی کیوں نہ ہو۔

سنار نے چند درہم شیخ کے حوالے کئے ہی تھے کہ اسی اثناء میں ایک عورت جو درحقیقت چور کی ہم پیشہ تھی، دکان میں داخل ہوئی اور سیدھی شیخ کے پاس جا کر اس کی تعظیم کے لئے جھک کر اسے آداب کہا اور التجائیہ لہجے میں اپنے اور اپنے اہل و

یہ فلاں علاقے کے مشہور و معروف شیخ ہیں، جنہیں خدا نے بکثرت علم، دولت کی فروانی اور ہر قسم کی دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ انہیں انسانوں کے بھلے کے سو کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔

لوگ ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بیتاب رہتے ہیں۔

سنار نے شیخ سے معافی مانگتے ہوئے کہا کہ؛ شیخ صاحب میں معافی کا طلبگار ہوں، میرا سارا وقت اس دکان میں گزرتا ہے اور باہر کی دنیا سے بے خبر رہتا ہوں، اس لیے اپنی جہالت کی وجہ سے آپ جیسی برگزیدہ ہستی کو نہ پہچان پایا۔

شیخ نے سنار سے کہا: کوئی بات نہیں انسان خطا کا پتلا ہے، غلطی پر نادم ہونے والا شخص خدا کو بہت پسند ہے۔ تم ایسا کرو ابھی میرا یہ رومال لے لو اور سات دن اس سے اپنا چہرہ پونچھتے رہو، سات دنوں کے بعد یہ رومال تمہارے لیے ایسی برکت اور ایسا رزق لے آئے گا جہاں سے تمہیں توقع بھی نہ ہوگی۔

جوہری نے پورے ادب و احترام کے ساتھ رومال لیا، اسے بوسہ دیا، آنکھوں کو لگایا، اور اپنا چہرہ پونچھا تو ایسا کرتے ہی وہ بے ہوش کر گرا۔ اس کے گرتے ہی شیخ اور اس کی ساتھی عورت نے سنار کی دوکان کو لوٹا اور وہاں سے فوراً فوج چکر ہو گئے۔

اس واقعے کو جب چار سال گزر گئے اور سنار رو دھو کر اپنا نقصان بھول چکا تھا۔ تو چار سال کے بعد

پولیس کی وردی میں ملبوس دو اہلکار سنار کی دکان پر آئے، ان کے ساتھ وہی چور شیخ تھا جس کو ہتھکڑیاں لگی ہوئی۔ سنار اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔

ایک پولیس والا سنار کے پاس آ کر پوچھنے لگا کیا آپ اس چور کو جانتے ہیں؟ کیونکہ آپ کی گواہی سے ہی قاضی اسے سزا سناسکتا ہے۔ سنار نے کہا کیوں نہیں اس نے فلاں فلاں طریقہ واردات سے مجھے بے ہوش کر کے میری دکان لوٹ لی تھی۔

پولیس والا شیخ کے پاس گیا اور اس کی ہتھکڑی کو کھولتے ہوئے کہنے لگا تم نے جس طرح دکان لوٹنے کا جرم کیا تھا ٹھیک اسی طرح وہ ساری کارروائی دہراؤ تاکہ ہم طریقہ واردات کو لکھ کر گواہ سمیت قاضی کے سامنے پیش کر کے تم پر فرد جرم عائد کروا سکیں۔

شیخ نے بتایا کہ میں اس طرح داخل ہوا اور یہ کہا اور میری مددگار عورت آئی اس نے فلاں فلاں بات کی، پھر میں نے رومال نکال کر دکاندار کو دیا۔ پولیس والے نے جیب سے ایک رومال نکال کر شیخ کو تھمایا، شیخ نے سنار کے پاس جا کر اسی طریقے سے اسے رومال پیش کیا تو پولیس والا سنار سے کہنے لگا:

جناب آپ بالکل ٹھیک اسی طریقے سے رومال کو چہرے پر پھیریں جیسے اس دن پھیرا تھا۔ سنار نے ایسا ہی کیا اور وہ پھر سے بے ہوش ہو گیا۔

☆☆☆

رضی اللہ عنہا

شانِ حضرت صفیہ

”تو سنو! ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ کا ازواجِ مطہرات رسول اللہ علیہم اجمعین میں نواں نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا یہود کے قبیلہ نضیر کے سردار جی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ آپ بہت زیادہ عقل مند، خوش خلق، بردبار علم و فضل میں ممتاز، نہایت حلیم الطبع، کشادہ دل، سیر چشم اور صابرہ و شاکرہ خاتون تھیں۔“

”نائلہ! اب تم ہمیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نام و نسب کے بارے میں بتاؤ؟“
نائلہ نے جواب دیا۔

”امام زرقانیؒ کا بیان ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام زینت یا زینب تھا۔“

آج اتوار ہے اور سب بچے نانی اماں کے پاس مقررہ وقت پر جمع ہو چکے ہیں۔ رمضان المبارک کا بابرکت ماہ بھی شروع ہو چکا ہے تو نانی اماں نے پہلے بچوں کو اس ماہ مقدس کی اہمیت و فضیلت بتائی، جس کے بعد نانی اماں نے پوچھا۔
”ہاں بھئی بچو! امید ہے تمہیں پچھلی نشت کا اختتام یاد ہو گا۔ ہم امہات المومنین کے شاندار سلسلے کو پڑھ رہے ہیں اور اب ہم ام المومنین حضرت صفیہ بن اخطبؓ کے بارے میں جانیں گے۔“
سب بچوں نے پر جوش ہو کر جواب دیا، جی ہاں ہم تیار ہیں۔

تو نانی اماں نے بولنا شروع کیا۔

”جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں سبز نشان دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے صفیہ! یہ کیسی سبزی ہے؟

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز میں اپنے خاوند کی گود میں سر رکھ کر سو رہی تھی کہ میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آگرا ہے۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے خاوند کو سنایا تو اس نے اس زور سے مجھے تھپڑ مارا جس کی وجہ سے میری آنکھ میں یہ نشان پڑ گیا۔

پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، کیا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے؟ اس کے انتقال کے بعد یہ بات سچ ثابت ہوئی۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور مال غنیمت اکٹھا کیا گیا تو ان میں چند عورتیں بھی تھیں جن میں حضرت صفیہ اور ان کی بہن بھی شامل تھیں۔ ان دونوں بہنوں کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ لے کر آ رہے تھے۔

راستے میں جب ان کے مقتولین کے پاس سے گزرے تو حضرت صفیہ کی بہن اپنے عزیز و اقارب کی لاشیں دیکھ کر چیخنے اور سینہ کوئی کرنے لگ پڑی مگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کوئی عمل نہ کیا۔ جب ان دونوں کو نبی کریم صلی اللہ

عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصہ کو جو بادشاہ یا سالار جنگ کے لئے مخصوص ہوتا تھا ”صفیہ“ کہتے تھے۔ چونکہ حضرت زینب غزوہ خیبر میں خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئیں اس لیے صفیہ کے نام سے پکاری جانے لگیں۔

ابن ابی زبالہ نے المنہج میں آپ رضی اللہ عنہا کا نام حبیبہ بیان کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا اعلان نبوت کے دو سال بعد یہود کے مشہور قبیلہ بنو نضیر کے سردار حسی بن اخطب کے ہاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی کنیت ام یحییٰ تھی۔

آپ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام حسی بن اخطب تھا۔ والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے۔ زینب یا حبیبہ بنت حسی بن اخطب۔ ”عائشہ! یہ بتاؤ! کیا حضور ﷺ سے پہلے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کوئی نکاح کیا؟“

اب باری عائشہ کی تھی۔ اس نے بولنا شروع کیا۔ ”حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی حقیق کے نکاح میں آئیں، جو ابورافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا، کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا، اس کے بعد آپ حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

”شاباش عائشہ، حسان! تم ہمیں اب اس سے آگے بتاؤ گے کہ ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں کب داخل ہوئیں؟“

اب حسان نے بولنا شروع کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی آزادی ہی آپ کا مہر قرار پائی۔
 ”شاباش بیٹا! تحریم! حضرت صفیہؓ کے اخلاق، زہد و تقویٰ کے بارے میں بتاؤ؟“
 تحریم گویا ہوئی۔

”حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے، وہ نہایت عاقلہ تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا عاقل، فاضلہ اور حلیمہ تھیں۔ حلم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سیر چشم اور فیاض واقعہ ہوئی تھیں؛ چنانچہ جب وہ ام المؤمنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اپنی سونے کی چیزیں تقسیم کیں۔ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ایک وصف یہ بھی ہے جو آپ کو دیگر ازواج سے ممتاز کرتا ہے کہ آپ کھانا بہت لذیذ پکاتی تھیں اور اکثر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتی۔ چاہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی زوجہ کے ہاں تشریف فرما ہوتے۔“

علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اس عورت نے گریہ زاری اور ماتم شروع کر دیا۔
 حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شیطانہ کو میرے سامنے سے دور کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں تشریف لے گئے۔ جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا تو استقبال کے لئے کھڑی ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ بستر بچھا دیا جو خیمہ میں تہہ کر کے رکھا تھا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے صفیہ! تمہارے باپ نے ہمیشہ ہمارے ساتھ دشمنی اور عداوت رکھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ تمہارے خاندان والوں نے ہمارے ساتھ یہ کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ کسی بندے کو دوسرے کے گناہ کے بدلے نہیں پکڑتا۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہیں اختیار ہے کہ اگر تم آزاد ہو کر اپنی قوم میں جانا چاہو تو جاسکتی ہو اور اگر اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیتا ہوں۔

”شاباش! عفان! تم ہمیں حضرت صفیہؓ کی مزید خصوصیات اور حسن و جمال کے بارے میں بتاؤ؟“

عفان نے بولنا شروع کیا۔

”ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال میں بے مثال تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا تھا مگر حسن ایسا تھا کہ جب آپ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلہن بن کر آئیں تو مدینہ کی خواتین آپ کے حسن کا شہرہ سن کر آپ کو دیکھنے کیلئے آئیں۔“

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن کا شہرہ سن کر سیدۃ النساء سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے کیلئے آئیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے کانوں کے جھمکے اتار کر دیے اور ان کے ساتھ آنے والی لڑکیوں کو بھی کچھ نہ کچھ زور دیا۔“

”عمر! تم ہمیں حضرت صفیہ کے علم و فضل کے بارے میں بتاؤ؟“

عمر نے جواب دینا شروع کیا۔

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی علم و عرفان کا مرکز تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اکثر خواتین آپ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرنے کیلئے آیا کرتی تھیں۔

روایات کے مطابق عراق کی رہنے والی

مہیرو بنت جعفر حج کرنے کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں تو انہوں نے آپ کے پاس بہت سی خواتین کو مسائل پوچھتے دیکھا۔ مہیرو نے بھی اپنے مسائل دریافت کرنے کیلئے دیگر خواتین سے مختلف سوالات کروائے اور خود اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے تمام سوالات کے مفصل جوابات دیئے۔ ان میں سے ایک مسئلہ فے کے بارے میں بھی تھا۔ جب اس مسئلے کی باری آئی تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے پس پردہ رہنے والی مہیروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اہل عراق اس مسئلے کو اکثر پوچھتے ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے دس احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک بخاری شریف میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جن کو حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ، اسحاق بن عبد اللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو بے انتہا محبت تھی۔ جس کی ایک مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام مرض میں سیدہ صفیہؓ کا یہ فرمانا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی بیماری مجھے لگ جائے۔ اس کی تصدیق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمائی کہ یہ اوپر اوپر سے ہی ایسا نہیں کہ رہی بلکہ یہ سچے دل سے

کہہ رہی ہے۔

”عبدالحمید! یہ بتاؤ! حضرت صفیہؓ کا انتقال

کب ہوا؟“

عبدالحمید نے جواب دیا۔

”ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال

50 ہجری میں ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں

ہوا۔ یہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا

دور خلافت تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا جنت البقیع شریف

میں آسودہ خاک ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک مکان تھا

جس کو آپ نے اپنی زندگی میں ہی خیرات کر دیا

تھا۔ البتہ آپ نے ایک لاکھ درہم جو کہ ایک قطعہ

زمین کی قیمت کے تھے، ترکہ چھوڑا۔ آپ نے

وصیت کی کہ ان میں سے ایک تہائی میرے

بھانجے کو دیا جائے۔ چونکہ آپ کا بھانجا یہودی تھا

اس لئے لوگوں نے آپ کی وصیت پوری کرنے

میں تامل کیا۔ جب اس بات کا پتہ سیدہ عائشہ رضی

اللہ عنہا کو لگا تو آپ نے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ اللہ

سے ڈرو اور صفیہ کی وصیت پوری کرو۔ چنانچہ مال

کا ایک تہائی آپ بھانجے کو دے دیا گیا اور باقی

صدقہ و خیرات کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کوئی

اولاد نہ ہوئی۔“

عصر کی اذان ہونے لگی تھی۔ اذان کے بعد

سب نماز کی تیاری کرنے لگے اور یوں یہ محفل

برخواست ہو گئی۔

☆☆☆

نظریہ ضرورت

سفید کرتا پا جامہ واسکٹ پہنے ایک صاحب گلی سے گزر رہے تھے کہ اوپر سے کسی نے

باسی دال کی دپچی الٹ دی۔ سفید پوش صاحب چیخے اے ہمت ہے تو سامنے آہے بزدلوں کی

طرح دال پھینک کر چھپ کیوں گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک چھٹا ہٹا کٹا پہلوان سیڑھیاں

الانگھتا نیچے آیا۔ ہاں جی بتاؤ کیا تکلیف ہے؟

سفید پوش صاحب نے پہلے خود کو اور پھر پہلوان کو جانچا اور پھر متانت سے کہا ارے

صاحب کچھ نہیں۔ آپ نے جو دال پھینکی وہ اتنی لذیذ ہے کہ سوچا آپ کو نیچے بلا کر اس کی

ترکیب ہی پوچھ لیں۔

☆☆☆

محمد رفیق



رمشاء خان

پڑھی پڑھیں۔ اور کچھ نیا سیکھنے

وقت ضائع نہیں کریں کیوں کہ آپ کے پاس ابھی فارغ وقت ہے اور آپ اس وقت کا فائدہ اٹھائیں اور نئی نئی اسکول سیکھیں، اس سے آپ فائدے میں رہیں گے۔“

”ابو جان! میں نے بھی یہی سوچا ہے آپ بے فکر ہو جائیں، جب تک آپ میرے نئے اسکول کا انتظام نہیں کر دیتے جب تک میں اپنا وقت ضائع نہیں کروں گا بلکہ کچھ نیا سیکھوں گا۔“

اگلے روز مومن نے کتابیں پڑھنے کے علاوہ خطاطی کیسے کرتے ہیں وہ بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ لیکن کچھ روز بعد ہی اس کے والد نے اس کا داخلہ نئے اسکول میں کروا دیا۔

☆☆☆

آج عبدالمومن کا نئے اسکول میں پہلا دن تھا اور وہ کچھ بچکی ہٹ محسوس کر رہا تھا۔ جماعت

عبدالمومن کے والد کا لاہور سے راولپنڈی تبادلہ ہوا تھا، جس کی وجہ سے اس کی تعلیم کا حرج ہو رہا تھا۔ کیوں کہ وہ لوگ ابھی اس شہر میں نئے آئے تھے اور اس شہر کے اسکولوں کے بارے میں بھی نہیں جانتے تھے۔ اس لئے ایک روز عبدالمومن کے والد نے مومن کو سمجھایا۔

”بیٹا! جب تک آپ کے لئے ہم نئے اسکول کا انتظام نہیں کر دیتے اس وقت تک آپ گھر

دوست

مصرف ہو جاتا کسی سے بلا وجہ بات کرنے کی عادت نہیں تھی۔

☆☆☆

ایک دن سر نے کلاس میں بتایا کہ بچو! ہمارے اسکول میں خطا کی کے مقابلے کا انعقاد ہونے جا رہا ہے۔ اگر جماعت کے کسی بچے کو اچھی خطا آتی ہو اور وہ اس مقابلہ میں حصہ لینا چاہتا ہو تو مجھ سے رابطہ کرے۔

مومن نے یہ سنا تو کہا، سر! میں اس مقابلہ میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔

”اچھا! شاباش بیٹا! اگر آپ اس مقابلے میں حصہ لینا چاہتے ہیں تو آپ مجھے اپنی کی ہوئی خطا دکھائیں، تاکہ ہم آپ کی خطا کی دیکھ کر فیصلہ کریں۔“

”جی سر! میں آپ کو آفس میں آ کر دکھا دوں گا۔“

”ٹھیک ہے بیٹا!“

سر کے جماعت سے نکلتے ہی سب بچے ہنسنے لگے اور کہنے لگے۔ یہ حصہ لے گا مقابلے میں! بچوں میں سے کسی ایک نے کہا۔ اس کو تو بولنا بھی نہیں آتا اور یہ مقابلہ ویسے بھی بڑوں کا ہے۔ اس میں بچوں کا کیا کام؟ مومن نے کسی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہا۔

☆☆☆

اگلے دن مومن اپنی کی ہوئی خطا کی سر کے آفس میں لے کر گیا اور سر کو اپنی بنائی ہوئی خطا دکھائی۔

میں داخل ہونے کے بعد عبدالمومن سیدھا جگہ پر جا کر بیٹھ گیا، بچوں نے محسوس کیا کہ مومن جماعت میں نیا آیا ہے، لیکن کسی نے بھی اس کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا۔

برابر میں بیٹھے بچے نے مومن کو اپنا تعارف کروایا مومن نے بھی اس کو اپنا تعارف کروایا اتنے میں جماعت میں استاد آ گئے۔

استاد نے بچوں کو مومن کے بارے میں بتایا کہ یہ آپ کا نیا دوست اور آپ کا ہم جماعت ہے۔ جماعت کے سب بچے مڑ مڑ کر مومن کو دیکھ رہے تھے۔ استاد نے بچوں کو پڑھایا اور چلے گئے۔ اسی طرح سب اساتذہ نے کلاس لی اور چلے گئے اور پھر چھٹی ہو گئی۔

☆☆☆

مومن اپنے کمرے میں خطا کی کر رہا تھا کہ اس کی امی نے مومن سے اسکول کے بارے میں پوچھا۔

”عبدالمومن! آپ کا آج کا دن کیسا گزرا اسکول میں؟ دوست بنائے؟“

”اچھا گزرا! امی جان! آج تو پہلا دن تھا اس لئے ابھی دوست نہیں بنائے۔“ مومن نے جواب دیا اور واپس اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

دن یوں ہی گزرتے رہے لیکن مومن کا کوئی بھی دوست نہیں بن سکا، کیوں کہ مومن خاموش طبیعت اور اپنے کام سے کام رکھنے والا عام سا بچہ تھا بس ہلکی پھلکی بات چیت کرتا اور اپنے کام میں

خوبصورت خطاطی اور مومن مقابلہ میں حصہ لے رہا ہے، آپ سب اپنے ہم جماعت دوست کا حوصلہ بڑھائیں اور اس کا ساتھ دیں، تاکہ آپ کی جماعت جیت سکے یہ کہنے کے بعد سرواپس چلے گئے۔

کیوں کہ سر کو مقابلے کے لئے اور بچوں کی بھی خطاطی چیک کرنی تھی۔ سر کے جانے کے بعد سب بچے مومن کے گرد جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک بچے نے بولنا شروع کیا، مومن کل کے لئے ہمیں معاف کر دو! ہمیں تمہارا مذاق نہیں اڑانا چاہیے تھا۔ مومن نے کہا، کوئی بات نہیں، ہم سب دوست ہیں اور دوستوں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے لیکن ہمیں درگزر سے کام لینا چاہیے اور اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔ سب نے مومن کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا ہماری دعا ہے کہ یہ مقابلہ تم ہی جیتو اور ہماری جماعت کا نام روشن کرو! آمین۔

”آپ سب کا شکریہ! ان شاء اللہ! میں یہ مقابلہ جیتنے کی کوشش کروں گا۔“ مومن نے کہا

☆☆☆

مومن نے خطاطی کی خوب مشقیں کیں اور مقابلہ جیتنے کے لیے خوب محنت شروع کر دی۔ مقابلہ کا دن بھی آگیا۔

”امی! اور ابو جان! آپ دعا کیجیے گا، میرے لئے۔“
”ان شاء اللہ! بیٹا! کیوں نہیں!“ مومن کے والدین نے کہا۔

☆☆☆

سر خطاطی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کیوں کہ وہ بہت خوبصورتی سے بنائی گئی تھی۔ سر نے اس کی بہت تعریف کی اور اس سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیسے بنائی؟ مومن نے سر کو ساری بات بتادی کہ اس کے والد نے کہا تھا، اپنا وقت ضائع نہ کرو اور کچھ نیا سیکھو۔ اور اس نے خطاطی سیکھی کیوں کہ اسے بہت شوق تھا۔ سر نے ساری بات سن کر کہا، یہ خطاطی میں آپ کے ہم جماعت بچوں کو بھی دکھاؤں گا۔

کیوں کہ کل وہ آپ کا مذاق اڑا رہے تھے، میں نے سن لیا تھا جماعت سے باہر نکلتے ہوئے۔
”نہیں سر! میں نہیں چاہتا کہ آپ ان کو یہ دکھائیں۔ میں انہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا اور میں نہیں چاہتا کہ انہیں پتہ چلے یہ میں نے بنائی ہے۔“
”کیوں؟ بیٹا! اس سے وہ بھی سیکھیں گے، اور اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے یہ آپ کا حق ہے آپ نے بنائی ہے تو سب کو معلوم ہو کہ آپ اتنی کم عمری میں اتنی اچھی خطاطی کرتے ہیں۔ وہ بھی آپ سے کچھ سیکھیں۔“

مومن اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں سر بھی جماعت میں داخل ہوئے۔ سر نے مومن کی بنائی ہوئی خطاطی کی تصویر کھول کر بچوں کو دکھائی، بچے بھی دیکھ کر حیران رہ گئے اتنی خوبصورت خطاطی کس نے کی ہے؟

سر نے بتایا، بچو! یہ خطاطی آپ کے ہم جماعت عبدالمومن کی ہے اس نے بنائی ہے۔ یہ اتنی

آیت نے اول پوزیشن حاصل کی ہے، جو ساتویں جماعت کے طالب علم عبدالمومن نے بنائی ہے۔ اپنا نام سن کر مومن کے آنسو آگئے۔ اور اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ جماعت کے طالب علم بھی مومن کا نام سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے مبارک باد دی۔

گھر آ کر یہ خوشخبری اس نے اپنے والدین کو سنائی، یہ خبر سن کر اس کے امی ابو بھی بہت خوش ہوئے، اور اسے مبارک باد دی مومن نے اپنے امی ابو کا شکر یہ ادا کیا۔

☆☆☆

مقابلہ شروع ہو گیا تھا، سب نے خطاطی کرنا شروع کر دی تھی۔ مومن نے آج ایک آیت کا انتخاب کیا جسے وہ خوبصورتی سے بنانے میں مصروف تھا، مقابلہ کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ سب اپنی اپنی خطاطی مکمل کر چکے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد مقابلہ کے نتیجہ کا اعلان کیا گیا، پہلے سوم پوزیشن کا اعلان کیا گیا، پھر پوزیشن لینے والے کا نام پکارا گیا۔ سب طالب علم دعا کر رہے تھے اللہ پاک اول پر مومن کا نام پکارا جائے۔ اتنے میں اول پوزیشن حاصل کرنے والی خطاطی کا نام لیا گیا۔

وَ كَفَىٰ بِاللّٰهِ وَلِيًّا

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا کافی ہے۔

صرف ایک گھر

والدین کا گھر صرف یہی وہ گھر ہے جہاں آپ جب جی چاہے بغیر کسی دعوت کے جاسکتے ہیں یہی وہ گھر ہے جہاں آپ دروازے میں چابی لگا کر براہ راست گھر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے کہ جہاں محبت بھری نگاہیں اس وقت تک دروازے پر لگے رہتی ہیں جب تک آپ نظر نہ آجائیں۔ یہ وہ گھر ہے جو آپ کو آپ کی بچپن کی بے فکری اور خوشیوں کے دن یاد دلاتا ہے۔ یہ وہ گھر ہے جہاں آپ کی موجودگی اور ماں باپ کے چہرے پر محبت کی نظر ڈالنا باعث برکت ہے اور ان سے گفتگو کرنا اعزاز کی بات ہے۔ یہ وہ گھر ہے جہاں آپ نا جائیں تو اس گھر کے میکینوں کے دل مرجھا جاتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جہاں ماں باپ کی صورت میں دو شمعیں جلی رہتی ہیں تاکہ آپ کی دنیا کو روشنی سے جگمائیں اور آپ کی زندگی کو خوشیوں اور مسرتوں سے بھر دیں یہی ہے وہ گھر جہاں کا دسترخواں خالص محبتوں سے بھرپور اور ہر قسم کی منافقت سے پاک ہے یہ وہ گھر ہے کہ اگر یہاں کھانے کا وقت ہو جائے اور آپ کچھ نہ کھائیں تو اس گھر کے میکینوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جہاں آپ کو ہر قسم کی خوشیاں اور قہقہے میسر ہیں۔

عائشہ بنت جواد

چکنو کی صدہ

”کلثوم کے بال چڑیل جیسے... کلثوم کے
بال چڑیل جیسے...“

آج پھر کلثوم کھیلنے کے لیے محلے کے بچوں
کے پاس آئی تو سب نے اس کا مذاق اڑانا
شروع کر دیا۔

”تم لوگ میرا مذاق کیوں بنا رہے ہو؟“
ان سب کی باتیں سن کر وہ رنجیدہ ضرور ہوئی
لیکن اس نے سخت لہجے میں ان سے سوال کیا۔

”اگر تم اپنی شکل آئینے میں دیکھتی تو ہم سے یہ
سوال نہ کرتی۔“ زارا نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے
ہوئے کہا۔

”کیا ہوا ہے میری شکل کو؟“ کلثوم نے اسے
ہنستے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔

”شکل ایسے جیسے صدیوں سے منہ نہیں دھویا
اور بال چڑیا کا گھونسا بلکہ چڑیل جیسے لگ رہے

ہیں۔ کیا تمہارے گھر میں کنگھی نہیں ہے؟“
زارا مسلسل ہنس رہی تھی۔

”ارے! کیوں اس چڑیل کے پیچھے اپنا
وقت ضائع کر رہی ہو آؤ ہم کھیلتے ہیں۔“ سونیا نے
آکر زارا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اس سے کہا۔
اس کے ہاتھ میں گڑیا دیکھ کر کلثوم کا جی للچایا۔

”تم نے یہ گڑیا کہاں سے لی ہے مجھے بھی
ایسی گڑیا چاہیے۔“

اس نے ممننا تے ہوئے سونیا سے کہا۔
”جاؤ یہاں سے... بڑی آئی میری گڑیا کے
جیسی گڑیا لینے والی۔“

سونیا نے چڑ کر جواب دیا۔
”تم لوگ کھیل رہے ہو یا میں گھر جاؤں“ تناشا

نے بیزاری سے کہا۔
”ہاں چلو!“ زارا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ

سب وہاں سے چلے گئے۔

وہ صحت یاب ہو رہی تھیں۔

”یہ سب ایک دوسرے سے کتنے اچھے طریقے سے بات کر رہے ہیں۔ کوئی مجھ سے دوستی کیوں نہیں کرتا“ پیچھے کھڑی کلثوم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ روتی ہوئی واپس گھر چلی گئی جہاں اس کی بیمار امی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

☆☆☆

کلثوم اپنی امی کے ساتھ چھوٹے سے گھر میں رہتی تھی۔ وہ آٹھ برس کی تھی جب اس کی امی کو فالج کا ٹیک پڑا تب سے وہ چار پائی پر پڑی تھیں اور گھر کے سارے کام کلثوم کو کرنا پڑتے۔

اسی چکر میں اس نے اسکول بھی چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ بارہ برس کی ہو گئی تھی۔ کلثوم نے پورا گھر اچھی طرح سنبھال لیا تھا لیکن اسے اپنے بال سنوارنا نہیں آتے تھے۔ جیسے تیسے وہ ایک کنگھی کرتی لیکن گھنگھریالے ہونے کی وجہ سے لگتا تھا جیسے اس نے کبھی کنگھی کی ہی نہیں یہی وجہ تھی محلے بھر کے بچے اس کا مذاق بنایا کرتے۔

آج بھی ایسا ہی ہوا، وہ باورچی خانے میں گئی اور رونے بیٹھ گئی۔ اچانک اسے یاد آیا کہ گھر میں لکڑیاں ختم ہو گئی ہیں۔ تو اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور امی کو بتاتے ہوئی باہر چلی گئی کہ وہ لکڑیاں لینے جا رہی ہے۔

لیکن اس نے غور نہیں کیا کہ امی کے ہاتھ حرکت کر رہے تھے کلثوم کی دیکھ بھال کی وجہ سے

گاؤں کے باہر ایک گھنا جنگل تھا جہاں سے وہ اپنی پڑوسن رضیہ خالہ کے ساتھ جا کر لکڑیاں لایا کرتی تھی۔ آج اس کا دل اس قدر بوجھل تھا کہ وہ اکیلی جنگل کی جانب چل پڑی۔

چلتے چلتے کلثوم کو پتا ہی نہ چلا وہ جنگل میں کافی آگے بڑھ گئی ہے۔ جب احساس ہوا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اندھیرا کافی بڑھ گیا تھا۔ اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”یا اللہ! اب میں گھر کیسے جاؤں گی؟“ کلثوم رونے لگی۔ اسے دل میں دعا کر رہی تھی کہ اللہ کرے وہ جلدی سے گھر پہنچ جائے۔ اچانک اسے سامنے سے دھندلی سی روشنی دکھائی دی۔ کلثوم نے اپنے آنسو پونچھے اور اس کی سمت چلنے لگی۔ ”ہو سکتا ہے یہ روشنی جنگل سے باہر جانے میں میری مدد کرے۔“

یہ سوچ کر کلثوم مسکرائی۔ مگر جیسے جیسے وہ اس روشنی کی طرف بڑھ رہی تھی روشنی دھندلی ہو رہی تھی۔ اور ایک دم سے اندھیرا چھا گیا۔ کلثوم پھر سے رونا شروع ہو گئی۔

”اچھی لڑکی! کیوں رو رہی ہو؟“ اچانک اسے ایک آواز سنائی دی اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو اسے اپنے پاس وہی روشنی دکھائی دی۔ کلثوم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا وہ ایک ننھا سا جگنو ہے جو اس

سے سوال کر رہا تھا۔

”مممم... میرا نام کلثوم ہے اور میں یہاں راستہ بھٹک چکی ہوں۔“

کلثوم نے پچکاچاتے ہوئے جواب دیا۔

”گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ آؤ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔“

جگنو کے کہنے پر کلثوم نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ اس کے پاس جگنو پر بھروسہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

”میرا اور تمہارا سفر یہیں تک کا تھا آگے تمہیں اکیلے ہی گھر جانا ہوگا۔“

جنگل سے باہر آ کر جگنو نے کہا۔

”ٹھیک ہے میں چلی جاؤں گی آپ کا شکریہ اچھے جگنو!“

کلثوم کے شکریہ ادا کرنے پر وہ جگنو ہنسنے لگا۔

”لڑکی! مجھے یہ بتاؤ کیا تم ہر کسی پر بھروسہ کرنے لگ جاتی ہو؟ میں تمہیں جنگل سے باہر لانے کی بجائے گہری دلدل کی طرف لے جاتا تو؟“ اس نے سختی سے کلثوم سے سوال کیا۔

”جگنو میاں! اس وقت میرے پاس سوچنے کا وقت نہیں تھا مجھے اپنی امی کی فکر ہے اس کے پاس جانا ضروری تھا اس لیے میں نے آپ پر

اعتبار کیا اور دوسرا میں نے پڑھا ہے جگنو اپنی روشنی سے ہمیشہ راہ دکھاتے ہیں اس لیے وہ برے

نہیں ہو سکتے۔“

کلثوم کی اس معصومیت پر جگنو مسکرایا وہ اس

کے سر کے گرداڑنے لگا اور یہ کہتے ہوئے اسے گھر جانے کا کہا ”ہمیشہ اچھی اور نرم دل ہی رہنا“ کلثوم

اس سے سوال کرنے ہی لگی تھی کہ وہ دور ہوتا ہوا نگا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔ کلثوم ابھی تک حیرت

میں مبتلا تھی کہ جگنو نے ایسا کیوں کہا۔ پھر امی کا خیال آتے ہی اس نے اپنے کندھے اچکائے۔

چونکہ وہ اپنے گاؤں کے تمام راستوں سے اچھی طرح واقف تھی اس لیے جلد ہی گھر پہنچ گئی۔

گھر جا کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کی امی بالکل صحیح و سالم حالت میں چار پائی پر بیٹھی تھیں۔ کلثوم روتی ہوئی ان کے گلے لگ گئی۔

دونوں ماں بیٹی نے خوب ساری باتیں کیں۔ امی نے کھانا بنایا جسے بہت وقتوں بعد دونوں نے

جی بھر کے کھایا۔ پھر کلثوم نے امی کو جنگل میں رونا ہونے والا واقعہ بتایا جسے سن امی نے کہا۔

”بیٹا! ہو سکتا ہے یہ تمہارا وہم ہو۔“

ان کے کہنے پر کلثوم نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں امی! مجھے اچھی طرح یاد ہے مجھے جگنو نے راستہ دکھایا اور مجھ سے بات بھی کی۔“ اس کے کہنے پر

امی سوچ میں پڑ گئیں اور سر جھٹک کر اسے سونے کا کہا۔ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

صبح کلثوم اٹھی تو امی نے اسے کنگھی کی۔ اس کے بال بہت پیارے لگ رہے تھے وہ زیادہ

الجھے ہوئے بھی نہیں تھے۔

پیڑ کو کلثوم کا اچھا پن خوب بھایا، وہ اکثر کلثوم اور رضیہ خالہ کو باتیں کرتے ہوئے سنا کرتا تھا۔ وہ ان کے حالات سے واقف تھا، اس لیے آج جب کلثوم رستہ بھول گئی تو پیڑ نے جگنو میاں کو اس کی مدد کرنے کا کہا۔ جسے سن کر پہلے تو اس نے منہ بنایا پھر کلثوم کے حالات جان کر اس کی مدد کے لیے آگے بڑھا اور کلثوم خیریت سے گھر پہنچ گئی۔

ساتھ ہی پیڑ نے لمبی سانس لی اور سوچنے لگا کہ ”بھلا دن میں بھی جگنو دکھائی دیتے ہیں۔“ لیکن اسے یقین تھا اگر دن میں بھی کلثوم کو کوئی مشکل پیش آتی تو کوئی نہ کوئی اس کی مدد ضرور کرتا کیونکہ وہ خود بہت اچھی تھی اور اچھائی کرنے والوں کے ساتھ کبھی برا نہیں ہوتا۔



کوپن برائے ”وہ کون تھا؟“

نام:
 ولدیت:
 مکمل ایڈریس:
 تعلیم:
 جواب:

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

کلثوم نے انہیں پیار کیا اور اس سے اجازت لے کر اسی جنگل میں گئی جہاں اسے جگنو ملا تھا۔

”جگنو! اچھے جگنو! تم کہاں ہو؟“

وہ جگنو کو پکارنے لگی لیکن وہ اسے کہیں دکھائی نہ دیا۔ ”جگنو میاں! میں تمہیں بتانے آئی تھی کہ اب میری امی بالکل ٹھیک ہو گئی ہیں۔ تم بہت اچھے ہو تمہارا شکریہ!“ یہ کہہ کر وہ لمحے بھر کو خاموش ہو گئی لیکن کہیں سے جگنو کا جواب نہیں آیا۔

تھک ہار کر وہ وہاں سے لوٹ آئی لیکن واپس آتے ہوئے محلے کے تمام بچوں نے اسے حیرت سے دیکھا اور اپنے ساتھ کھیلنے کا کہا کیونکہ صاف کپڑے پہن کر اور اچھی کنگھی کر کے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ کلثوم بھی اپنی اداسی بھلا کر ان کے ساتھ کھیلنے میں مگن ہو گئی کہ جگنو تو نہیں ملا لیکن اسے بہت سے دوست مل گئے تھے۔ اور جنگل کے بچوں بچ کھڑا پیڑ اس کی معصومیت پر مسکرا رہا تھا۔

اسے وہ دن یاد آیا جب ہرن کا چھوٹا سا بچہ اس کے قریب لگی جھاڑیوں میں پھنس گیا تھا۔ تب کلثوم بھی رضیہ خالہ کے ساتھ وہاں قریب ہی لکڑیاں جمع کر رہی تھی۔ کلثوم نے جیسے ہی ایک ننھے ہرن کے کراہنے کی آواز سنی وہ فوراً اس طرف کو لپکی حالانکہ رضیہ خالہ نے اسے منع بھی کیا تھا لیکن اپنی نرم مزاجی کی وجہ سے وہ رہ نہ پائی اور آ کر چھوٹے ہرن کو جھاڑیوں سے باہر نکالا اور اس کے جسم سے کانٹے صاف کیے۔ ننھا ہرن سر ہلاتا ہوا وہ سے بھاگ نکلا۔

نظم

یہ زندگی جو آج ہے دشوار نہ ہوگی
پاؤں میں پیڑوں کی یہ جھنکار نہ ہوگی
تم اٹھ گئے تو سلسلہ دار نہ ہوگا
تم چل دیئے تو قید کی دیوار نہ ہوگی

گردن جھکی رہے گی غلامی کے طوق سے
جب تک تمہارے ہاتھ میں تلوار نہ ہوگی
شمشیر سے چراغ جلاؤ گے جس جگہ
تاثر اس زمیں پہ شب تار نہ ہوگی

پھر اس کے بعد ہوگا اجالا ہی اجالا
نور سحر کی راہ میں دیوار نہ ہوگی
سوتے رہے تو ہوتے رہو گے یونہی ذلیل
تم اٹھ گئے تو ظلم کی یلغار نہ ہوگی

تب تک رہے گی پاؤں میں زنجیر غلامی
جب تک یہ قوم نیند سے بیدار نہ ہوگی
بارِ ساجوش و جذبہ و ایمان پیدا کر
پھر تیرے دل میں خوف کی بھرمار نہ ہوگی

بہمشیرہ بابر آفریدی شہید

عید الفطر آداب و احکام

تحریر و ترتیب: محمد شاہد

(5) عید الفطر کی نماز کو نکلنے سے قبل کچھ کھانا: عید الفطر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت رہی ہمیکہ نماز کیلئے نکلنے سے قبل طاق عدد کھجوریں کھا کر نکلتے {صحیح بخاری}

(6) عید کی نماز کیلئے پیدل جایا جائے: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت کا طریقہ یہ ہمیکہ عید کیلئے پیدل جایا جائے۔ (7) راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنا۔

(8) آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ آنے جانے کا راستہ تبدیل فرماتے تھے۔ {صحیح بخاری}

(9) عید کی مبارکباد: عید کی آمد پر اپنے دوستوں، ساتھیوں اور پڑوسیوں کو عید کی مبارکباد دینا جائز ہے خصوصاً جس جگہ یہ رسم چلی آرہی ہو اور اسے عبادت کی حیثیت نہ حاصل ہو بلکہ صرف عادت کے طور پر لوگ کسی بھی خوشی کے موقع پر آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرتے ہوں جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں آتا ہمیکہ جب وہ عید سے واپس ہوتے تو ایک دوسرے سے کہتے:

تقبل اللہ منا ومنکم اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے اعمال قبول فرمائے۔

تمام مسلمانوں کو عید الفطر کی سعادتیں، برکتیں، مسرتیں مبارک ہوں۔

عید کا دن مسلمانوں کیلئے خوشی و مسرت کا دن ہے، مگر اس خوشی کے موقع پر بھی اسلام نے مسلمانوں کو کچھ آداب و احکام بتائیں ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

(1) حمد و ثنا اور شکر باری تعالیٰ: رمضان المبارک کے روزوں کے اختتام اور ترواح کے اتمام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، دانستہ یا نادانستہ کوتاہیوں پر مغفرت طلب کی جائے اور دعا کیجائے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل کو شرف قبولیت بخشے۔

(2) تکبیر و تحلیل: عید کا چاند دیکھنے کے بعد سے عید کی نماز پڑھنے تک تکبیر {اللہ اکبر} تہلیل {لا الہ الا اللہ} اور حمد و ثناء {وللہ الحمد} کا کثرت سے ورد کرے۔

(3) صدقہ فطر کی ادائیگی: ہر چھوٹے بڑے، امیر و غریب، عاقل و غیر عاقل مسلمان پر صدقہ فطر واجب ہے۔ صدقہ فطر کا وقت عید کی صبح نماز عید سے قبل تک ہے۔

(4) غسل کرنا، خوشبو استعمال کرنا اور اچھے سے اچھا کپڑا پہننا۔

اچھا دادی جان ہمیں تو نہیں

معلوم اس بارے میں

کیا آپ ہمیں اس

بارے میں بتائیں گی؟

کیوں! نہیں! میرے بچو!

اتنے میں دروازہ بجنے کی آواز

آئی تو امی نے کہا۔

بیٹا آپ لوگ بیٹھ کر دادی کی بات سنیں،

میں دیکھتی ہوں اور کل کی تیاری بھی دیکھ

لیتی ہوں۔

اچھا ہوا! صدف! تم آگئیں! ہم ایک

دوسرے کو مہندی بھی لگاتے ہیں اور دادی جان

ہمیں ماہ شوال کے بارے میں بتانے والی ہیں،

وہ بھی سنتے ہیں۔ ہاں! ٹھیک ہے! صدف زینب

کے مہندی لگانے لگی اور عبدالمومن دادی کے

برابر میں بیٹھ گیا۔

دادی نے بتانا شروع کیا۔

بچو! شوال المکرم اسلامی کلینڈر کا دسواں مہینہ

ہے۔ تاریخ اسلام میں اس ماہ کی بہت اہمیت

ہے۔ یہ مہینہ اپنے دامن میں ایسی کئی تاریخی

یادیں لیئے ہوئے ہے جنہیں رہتی دنیا تک یاد کیا

جاتا رہے گا۔

لیلة الجائزۃ

لیلة الجائزۃ اس مہینے کی پہلی رات کو انعام کی

رات کہا جاتا ہے۔ ماہ رمضان کی عبادت و

شوال المکرم



رمضان خان



”چاند نظر آگیا!“

چاند نظر آگیا!“

مومن شور مچاتے ہوئے گھر میں داخل ہوا اور

کمرے میں موجود دادی، امی اور بہن زینب

فاطمہ کو بتانے لگا۔

چاند نظر آگیا ہے۔ کل عید ہوگی سب کو چاند

رات مبارک!

خیر مبارک! تمہیں پتہ ہے یہ کون سے اسلامی

مہینہ کا چاند نظر آیا ہے؟ زینب نے پوچھا۔

ہاں! مجھے معلوم ہے یہ ماہ شوال کا چاند نظر آیا

ہے۔ مومن نے جواب دیا۔

ماشاء اللہ! مومن! آپ نے صحیح جواب دیا

آپ کو پتہ ہے اب چاند نظر آگیا ہے، یہ اب لیلة

الجائزہ کی شب ہے۔

عید الفطر آئی اور پہلی عید کی نماز حضور ﷺ نے دو
بجری میں ادا فرمائی۔
اور بچو!

ماہ شوال میں کئی تاریخی جنگیں بھی ہوئیں جن
میں مسلمانوں نے اپنی جان و مال کی قربانی دیکر
اسلام کو سر بلند کیا، اور اللہ کی مدد سے فتح و ظفر کے
جھنڈے بھی گاڑھے۔ بچو بتانے کو تو اور بھی بہت
کچھ ہے لیکن اب وقت نکلتا جا رہا ہے تم لوگ جلدی
سے اپنی مہندی مکمل کرو اس کے بعد ہمیں عبادت
بھی کرنی ہے۔ دادی نے اپنی بات مکمل کرتے
ہوئے کہا۔

شکریہ! دادی جان! بچو نے یک زبان ہو کر
دادی کا شکریہ ادا کیا۔

دادی آپ نے ہمیں ماہ شوال کے بارے
میں بتایا، ہمیں ماہ شوال کے بارے میں بہت
کچھ معلوم ہوا اسی طرح آپ ہمیں روزانہ کسی نہ کسی
واقعہ کے بارے میں بتاتی رہا کریں۔ تاکہ ہم بھی
اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

ہاں دادی صدف بالکل ٹھیک کہہ رہی
ہے۔ چلو صدف! اب میں آپ کے مہندی لگاتی
ہوں۔ اس کے بعد ہم بھی دادی کے ساتھ مل کر
اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اللہ سے سب کے
لئے دعائیں مانگتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

ریاضت کا انعام اس مبارک رات میں اللہ کی
بارگاہ سے دیا جاتا ہے اور اس رات رحمت الہی
جوش میں رہتی ہے۔

بندہ اللہ سے جو مانگتا ہے اللہ پاک عطاء
فرمادیتا ہے، احادیث میں اس رات کی بہت
فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، اور اس رات جو
دعائیں مانگی جاتی ہیں، اللہ پاک انہیں قبول فرما
لیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں دعائیں رد نہیں
ہوتیں:

۱:- رجب کی پہلی رات ۲:- شعبان کے ماہ
کی درمیانی رات یعنی شب براءت ۳:- جمعہ
المبارک کی رات ۴:- عید الفطر کی رات ۵:- عید
الاضحیٰ کی رات۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے اس رات کو
ہم ایسے ہی گزار دیتے ہیں، اس رات ہمیں صرف
عید کی تیاریوں کی فکر رہتی ہے بس۔ اس مہینے کی
پہلی تاریخ کو عید الفطر کا تہوار پوری دنیا میں منایا
جاتا ہے۔

لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اپنے تمام
گلے شکوے ختم کر کے ایک دوسرے سے مصافحہ
معافہ کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں ۹ بار

سلطان میو شہید

عبدالحمید ظاہر پوری

میں شجاعت خان اپنے جاسوس کے ہمراہ اس طرح عقیدت کے ساتھ سر جھکائے سری رنگ ناتھ کے مندر میں داخل ہوا جیسے وہ مذہباً ہندو ہو اور برسوں سے بتوں کو پوجتا آرہا ہو۔ سرکاری جاسوس نے اس کے طرز عمل پر کئی بار حیرت کا اظہار کیا تھا اور شجاعت خان نے ہر مرتبہ سرگوٹیوں میں ڈانٹ دیا تھا۔

تیرے جھجکتے ہوئے قدم اور چہرے پر پھیلی ہوئی حیرت دیکھ کر پجاریوں کو شک ہو جائے گا اور پھر ہماری ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ اس لئے اپنے حواس پر قابو رکھو اور ہندوؤں کی طرف دیکھو کہ وہ کس طرح مندر میں داخل ہو رہے ہیں۔

شجاعت خان کی آخری تنبیہ کے بعد سرکاری جاسوس سنبھل گیا تھا مگر پھر بھی اس کے انداز و رفتار

میں شجاعت خان جیسی بے ساختگی نہیں آتی تھی۔ ریاست میسور کا نائب سپہ سالار اپنے گرد و پیش سے بے خبر اس طرح آگے بڑھ رہا تھا جیسے وہ بھگوان کے درشن کا پیاسا ہو اور اسے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھانے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ ہو۔ پوجا کے لئے آنے والے بیجاری مرد اور عورتیں رک رک کر شجاعت خان کو دیکھ رہے تھے۔ اس وقت اس سے زیادہ وجہ پجاری مندر میں کوئی دوسرا موجود نہیں تھا چھٹ کا قد، تیکھے نقوش، سرخ رنگ اور بڑی بڑی موچھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مثالی راجپوت، دیوتاؤں کے قدموں میں سر جھکانے آیا ہو۔ شجاعت خان بھی کبھی کبھی دزدیدہ نظروں سے پجاریوں کے اس انداز نظر کو دیکھ لیتا تھا اور پہلے سے زیادہ محتاط ہو جاتا تھا۔

مندر کے احاطے میں پہنچ کر شجاعت خان نے ایک خدمت گار سے پوچھا جو چند پیسوں کی لالچ میں پوجا کے لئے آنے والوں کے آگے بچھا جا رہا تھا۔

”بڑے پجاری کہاں ہیں؟“ آواز میں بڑی گرج تھی۔ مندر کا سیوک سنبھل گیا۔

”مہاراج اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔ رات بھر کی پوجا نے انہیں تھکا دیا ہے۔ اس وقت وہ کسی سے نہیں مل سکتے۔

تم صرف ان کے کمرے تک ہماری راہنمائی کر دو! ہم خود مہاراج سے ملاقات کر لیں گے۔“ شجاعت خان نے اراداً اپنے لہجے میں نرمی پیدا کر لی تھی۔

”کیسے پجاری ہو کہ مہاراج کی آرام گاہ سے بھی واقف نہیں؟“ سیوک نے چونک کر شجاعت خان اور سرکاری جاسوس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کی چمک بھی تھی اور ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ بھی۔ ایک معمولی دھرم سیوک، شجاعت خان جیسے ہوشیار کھلاڑی سے کس طرح جیت سکتا تھا۔

”ہم راجھستان سے آئے ہیں، اس لئے یہاں کے منتظمین سے واقف نہیں۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ پجاری جی کے لئے کچھ تحائف لے کر آئے ہیں۔ وہ ان کی نذر کر کے کل ہی واپس لوٹ جانا چاہتے ہیں۔“

تحائف کا ذکر سن کر مندر کے سیوک نے حریصانہ نظروں سے شجاعت خان کی طرف دیکھا اور یہ کہتا ہوا پجاری کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

”آپ ٹھہریں! میں اسی وقت مہاراج کو خبر کرتا ہوں۔“ شجاعت خان زیر لب مسکرایا اور اپنے جاسوس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”اس دھرم سیوک کی قیمت چاندی کے چند سکوں سے زیادہ نہیں تھی۔ تم نے دیکھا کہ وہ کس طرح پھسل گیا اور دولت کے سامنے خم ہو گیا۔“

سرکاری جاسوس نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ ”آپ کا اندازہ درست تھا۔“

”میں اندر جانے کے بعد تم سے گفتگو نہیں کروں گا۔“ شجاعت خان نے اپنے جاسوس کو آخری ہدایت دی۔

”میں تصدیق کے لئے صرف تمہاری طرف دیکھوں گا۔ اگر وہ پجاری مطلوبہ شخص ہے تو تم جواب میں اپنی آنکھیں بند کر لو گے۔“ جیسے ہی شجاعت خان کی بات مکمل ہوئی، دھرم سیوک دوڑتا ہوا آیا اور پُر جوش لہجے میں کہنے لگا۔

”مہاراج آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ اگرچہ وہ بہت زیادہ تھکے ہوئے ہیں لیکن ان کی عادت ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کو شدید بیماری کی حالت میں بھی مایوس نہیں کرتے۔“

”واقعی! وہ بہت عظیم ہیں۔“ شجاعت خان طنزاً مسکرایا مگر وہ دولت کالا لچی دھرم سیوک اس

ہوں۔“ شجاعت خان آگے بڑھ کر بڑے ادب سے پجاری کے سامنے بیٹھ گیا۔

”مجھے مہاراج سے بہت ضروری کام ہے اور اس کے لئے مکمل تنہائی درکار ہوگی۔ بس آپ اور میں تیسرا کوئی نہیں۔“

”کیسی تنہائی؟“ پجاری نے پاؤں سمیٹے اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے سے ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔ ”جو کچھ کہنا ہے، ان کے سامنے کہہ!“ پجاری نے تلک دھاری شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ان میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔ یہ میرے مہمان خاص ہیں اور تیری ہی طرح بہت دور سے آئے ہیں۔“

پجاری کی بات سن کر شجاعت خان کو اس اجنبی پر شک سا ہونے لگا۔

”مجھ سے زیادہ سفر تو کسی نے بھی نہیں کیا ہوگا۔ کیا یہ بھی راجستھان سے آئے ہیں؟ شکل سے تو اسی علاقے کے لگتے ہیں۔“ شجاعت خان نے بڑی ہوشیاری سے ایک اور چال چلی تھی۔ پجاری، شجاعت خان کی چال کو نہیں سمجھ سکا اور بے اختیار بول اٹھا۔

”یہ ارکاٹ سے آئے ہیں۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ میرے معزز و محترم مہمان ہیں۔ اگر تجھے اتنی ہی جلدی ہے تو کچھ دن سرنگا پٹم میں ٹھہر جا! جب میں ان کی تواضع سے فارغ ہو جاؤں گا تو

کے انداز گفتگو کی تلخی کو سمجھنے سے قاصر رہا۔

شجاعت خان نے اپنے کرتے کی جیب سے چاندی کے کچھ سکے نکال کر دھرم سیوک کے ہاتھ پر رکھے اور پجاری کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ مندر کا پجاری بڑے متکبرانہ انداز میں گاؤ تکیے کے سہارے فرش پر دراز تھا اور اس کی دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔ پجاری کے قریب ہی ایک اور تلک دھاری شخص بیٹھا ہوا تھا جو اپنے خدوخال سے برہمن نظر آتا تھا۔

شجاعت خان نے پجاری پر نگاہ کی اور پھر فوراً ہی پلٹ کر اپنے جاسوس کی طرف دیکھا۔ جاسوس نے اپنی دونوں آنکھیں بند کر لیں کہ یہ وہی شخص ہے جو کل امیر نجیب الدولہ کی حویلی میں داخل ہوا تھا۔

”تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟“ شجاعت خان کو خاموش پا کر پجاری تیز آواز میں بولا۔ اس کے لہجے میں انتہائی غرور جھلک رہا تھا۔

”سورج جنسی راجپوت ہوں، سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کر کے مہاراج کے درشن کے لئے حاضر ہوا ہوں۔“

”بیٹھ جا! اور جلدی سے اپنا مقصد بیان کر!“ پجاری کے لہجے میں بڑی رعونت تھی۔

”جو کچھ بھی لایا ہے، دیوتاؤں کے چرنوں میں چڑھا دے۔ ہمیں دھن دولت سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے تنہائی چاہتا

ضروری ہے۔ اگر آپ چلے گئے تو بات ادھوری رہ جائے گی۔“

”نہیں“ تلک دھاری برہمن نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

”میں کچھ دیر بھگوان کی پوجا کروں گا۔ مجھے

یقین ہے کہ اس عرصے میں آپ لوگ فارغ ہو جائیں گے۔“ شجاعت خان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ تلک دھاری برہمن اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکا۔

”پوجا کا وقت گزر چکا ہے، اس لئے چپ

چاپ بیٹھ جاؤ اور میری بات بہت غور سے سنو!“

”یہ کیا بے ہودگی ہے؟“ پجاری نے چیختے ہوئے کہا۔

”اپنی آواز نیچی رکھ پجاری!“ یکا یک

شجاعت خان غضب ناک نظر آنے لگا۔

”مجھے پہچان! میرے ظاہری لباس پر نہ جا!

میں راجستھان کا راجپوت نہیں، ریاست میسور کا

نائب سپہ سالار شجاعت خان ہوں۔ پجاری کے

چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور تلک دھاری برہمن کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

”آپ علیہ بدل کر یہاں کس لئے آئے

ہیں؟“ پجاری کی آواز کانپ رہی تھی۔ شجاعت

خان نے تلک دھاری برہمن کو جھٹکا دیا۔ وہ منہ

کے بل گرتے گرتے بچا۔

”اپنے سوالوں کے جواب چاہتا ہوں۔ اگر

تو نے سچ بولا تو تیری زندگی کی ضمانت دیتا ہوں۔“

پھر تیری بات سنوں گا۔“ پجاری کے غرور اور بے نیازی کا وہی عالم تھا۔

ارکاٹ کے ذکر پر شجاعت خان بری طرح

چونک اٹھا تھا مگر اُس نے اپنے چہرے سے کسی

تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا۔

”تو پھر مجھے ان کے سامنے ہی سب کچھ کہہ

دینا چاہئے۔“ شجاعت خان نے پلٹ کر

اپنے جاسوس کی طرف دیکھا۔

”دروازہ بند کر دو!“

جاسوس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پجاری

کی نشست گاہ کی کنڈی لگا دی۔

”کیا ہو رہا ہے میرے حکم کے بغیر؟“

پجاری گھبرا گیا تھا۔

”بات ہی اتنی اہم ہے مہاراج!“ شجاعت

خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اگر ایک لفظ بھی اس کمرے سے باہر چلا گیا

تو سرنگاپٹم میں زلزلہ آجائے گا۔“

پجاری ابھی شجاعت خان کی بات کا مفہوم

سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ تلک دھاری برہمن اٹھتے

ہوئے کہنے لگا۔

”اگر اتنی ہی ضروری اور اہم بات ہے تو میں

کمرہ خالی کئے دیتا ہوں مہاراج!“

”آپ بھی بیٹھ جائیے!“ شجاعت خان نے

اجنبی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میری گفتگو میں آپ کا ہونا بھی بہت

”اتنا بڑا جھوٹ؟ اپنی زبان کو سچ بولنے پر مجبور کر پجاری! ورنہ میں تیری شہ رگ کاٹ دوں گا۔“ موت کو اس قدر نزدیک پا کر سری رنگ ناتھ مندر کے پجاری نے وہ خوف ناک راز اگل دیا جو بہت دنوں سے اس کے سینے کی گہرائیوں میں پرورش پا رہا تھا۔

”میں امیر نجیب الدولہ کے پاس ایک ضروری کام سے گیا تھا۔“

”پجاری! ہوش کی باتیں کر! تجھے یہ افتائے راز بہت مہنگا پڑے گا۔“ پجاری کی گفتگو کے درمیان ہی وہ تلک دھاری برہمن چپخنے لگا۔

”تیرے ہونٹوں کی جنبش تیری موت کا سبب بن سکتی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ اجنبی شخص کمرے سے باہر جانے لگا تو شجاعت خان اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا خنجر اس کے حلق پر رکھ دیا۔ تلک دھاری برہمن پر بھی نزع کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

پجاری نے شجاعت خان کو بتا دیا کہ یہ شخص برہمن نہیں، نواب ارکاٹ کا مسلمان جاسوس ہے جو والا جاہ محمد علی کا ایک خاص پیغام لے کر امیر نجیب الدولہ کے پاس آیا تھا۔ حفاظتی تدبیر کے طور پر مجھے نجیب الدولہ کے پاس بھیجا گیا اور اس نے ایک ہندو کا لباس پہن لیا تا کہ دیکھنے والوں کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو سکے۔

شجاعت خان نے نواب ارکاٹ کے جاسوس

شجاعت خان کے ہونٹوں سے نفرت و غضب کی چنگاریاں برس رہی تھیں۔

”اور اگر جھوٹ بولا تو اسی وقت تجھے تیرے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھا دوں گا۔ سارا سرنگا پٹم یہ منظر دیکھے گا کہ ایک پانی کے خون سے دیوتاؤں کو کس طرح غمیل دیا جاتا ہے۔“

موت کے خوف سے پجاری کی پتلیاں کانپنے لگیں اور اس نے لرزتے ہوئے ہاتھ شجاعت خان کے قدموں کی طرف بڑھائے۔ شجاعت خان نے پجاری کو ڈانٹا۔

”اس کی ضرورت نہیں اپنے ہاتھوں کو جنبش نہ دے! اپنی زبان کھول!“

”بھگوان کی سوگند! میں سچ ہی بولوں گا۔“ پجاری کی آواز اس طرح گھٹی گھٹی تھی جسے فرشتہ کا ہاتھ اس کا گلہ دبا رہا ہو۔

”تو پھر بتا کہ کل امیر نجیب الدولہ کے یہاں کیوں گیا تھا؟“ شجاعت خان نے پجاری سے پہلا سوال کیا۔

”میں ایک نردھن (غریب) پجاری ہوں اور وہ میرے ان داتا ہیں۔“ پجاری کھلا جھوٹ بول رہا تھا۔ ”میں اکثر امیر کے گھر جاتا ہوں اور وہ میری پھیلی ہوئی جھولی کو بھر دیتے ہیں۔“

شجاعت خان پجاری کا جواب سن کر مسکرایا۔ پھر اس نے اپنے پیراہن کے نیچے سے خنجر نکالا اور اسے پجاری کی گردن پر رکھ دیا۔

سے باز پرس کی تو اس نے جان بخشی کا وعدہ لے کر صاف صاف بتا دیا۔

”میں نواب والا جاہ محمد علی کا ایک خفیہ پیغام لے کر امیر نجیب الدولہ کے پاس آیا تھا۔ دراصل نجیب الدولہ نواب ارکاٹ اور نظام دکن کا جاسوس ہے۔ وہ آئے دن ان دونوں کو ریاست کی اہم خبریں بھیجتا رہتا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ نواب ارکاٹ کے خط کا جواب لے کر آتا ہی ہوگا۔“ شجاعت خان فوراً اپنے جاسوس سے مخاطب ہو کر بولا۔

”اپنے سپاہیوں سے کہہ دو کہ جیسے ہی امیر نجیب الدولہ نظر آئے اسے گرفتار کر لو!“ یہ کہہ کر شجاعت خان اٹھا اور سری رنگ ناتھ مندر کے پجاری کو سخت الفاظ میں تنبیہ کرتے ہوئے بولا۔

”جو کچھ ہوا، اسے خواب سمجھ کر بھول جا! زبان بند رکھے گا تو امان پا جائے گا۔“

پھر نواب ارکاٹ کے جاسوس کو لے کر پجاری کے کمرے سے نکل گیا۔ مندر سے باہر آنے کے بعد شجاعت خان نے والا جاہ محمد علی کے مخبر کو اپنے چار سپاہیوں کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

”اسے بحفاظت محل میں پہنچا دو اور سخت نگرانی کرو! میں بہت جلد نجیب الدولہ کو لے کر آتا ہوں۔“

”حضور جاں بخشی کا وعدہ فرما چکے ہیں۔“ نواب ارکاٹ کے جاسوس نے روتے ہوئے کہا۔

اسے اپنی موت بہت قریب نظر آرہی تھی۔

”ہمارا وعدہ، وعدہ ہے اور ہماری جانوں کے ساتھ ساتھ ہے۔ تیرے نواب کا وعدہ نہیں کہ قرآن کی قسمیں کھا کر بھی مکر جاتا ہے۔ یقین کر کہ تجھے ریاست میسور کی حدود میں موت نہیں آئے گی۔ اب آگے تیری قسمت۔“

نواب ارکاٹ کا جاسوس لرزتے قدموں کے ساتھ محل کی طرف چلا گیا اور شجاعت خان اپنے سادہ لباس سپاہیوں کے ساتھ مندر کے دروازے پر کھڑے ہو کر امیر نجیب الدولہ کا انتظار کرنے لگا۔

آخر طویل انتظار کے بعد نجیب الدولہ مندر پہنچا۔ وہ بھی انتہائی شاطر اور ہوشیار انسان تھا۔ شجاعت خان کی طرح ہندوانہ لباس میں آیا تھا۔ میسور کا ایک سپاہی بھی اسے نہ پہچان سکا۔ شجاعت خان بھی دھوکا کھا گیا تھا مگر جب نجیب الدولہ اس کے قریب سے گھبرایا ہوا گزرا تو اسے شک ہو گیا۔ اسی شک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شجاعت خان نے اسے بلند آواز سے پکارا۔

”امیر نجیب الدولہ! آپ یہاں کیسے؟“

اپنا نام سن کر نجیب الدولہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں پلٹا۔ اس کے قریب ہی شجاعت خان ایک ہندو کے لباس میں کھڑا تھا۔ نجیب الدولہ اسے پہچان گیا مگر فوراً ہی بات بدل کر بولا۔

”میرا نام نجیب الدولہ نہیں ہے۔“

☆.....☆.....☆

کروڑ پتی مجرم کو پھانسی کی سزا سنادی گئی۔ جزیرے سے باہر وہ فرار ہو سکے۔

سنتری نے اسے بتایا کہ یہاں پر حفاظتی اقدامات بہت سخت ہیں اور کوئی بھی قیدی جزیرے سے باہر نہیں نکل سکتا سوائے ایک صورت کے، جو

کہ!!! موت

ہے!

لیکن لاکھوں

کے لالچ نے

سنتری کو قیدی کا ساتھ

دینے پر آمادہ کر لیا۔

اس کے لیے سنتری نے

ایک عجیب و غریب طریقہ نکالا اور اس کروڑ پتی

مجرم کو بتادیا، جو درج ذیل ہے۔

سنو! جیل کے جزیرے سے صرف ایک چیز

اور اس سزا پر عملدرآمد کے لیے اسے

شہر سے دور دراز ایک

گمنام جزیرے کی

جیل میں قید کر دیا

گیا تاکہ وہ اپنی

دولت یا اثر

و رسوخ کو

استعمال کرتے

ہوئے فیصلے پر اثر انداز نہ

ہو سکے۔

کروڑ پتی مجرم نے اس جزیرے پر ہی

قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا، اس کے لیے اس نے

جیل کے سنتری کو رشوت دینے کا فیصلہ کیا تاکہ کسی

بھی طریقے سے اور کسی بھی قیمت پر جیل کے



ہی واپس جیل چلا جاؤں گا اور آپ غائب ہو جائیں گے یوں آپ کی گمشدگی ایک معمہ ہی رہے گی، اور اس معمے سے ہم دونوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

آپ کا کیا خیال ہے؟

کروڑ پتی نے سوچا کہ یہ ایک جنونی قسم کا منصوبہ ہے، لیکن پھانسی کے پھندے پر جھولنے سے یہ پھر بھی ہزار درجے بہتر ہے۔

کروڑ پتی نے تگڑی رقم دینے کا وعدہ کیا اور پھر دونوں نے اسی طریقہ کار پر اتفاق کر لیا۔

سنتری کے منصوبے کے مطابق اس قیدی نے اتفاق کیا کہ وہ مردہ خانے میں چپکے سے جائے گا اگر وہ خوش قسمت رہا اور وہاں کسی کی موت واقع ہوگئی تو وہ اپنے آپ کو بائیں طرف کے پہلے نمبر والے تابوت میں بند کر لے گا جس کے اندر پہلے سے ایک لاش موجود ہوگی۔

اگلے دن حسب منصوبہ سنتری کے بتائے ہوئے رستے پر چلتے ہوئے وہ کروڑ پتی شخص مردہ خانے کے اندر گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہاں مردہ خانے کے فرش پر دو تابوت رکھے ہوئے تھے، پہلے تو وہ تابوت میں کسی مردے کے ساتھ لیٹنے کے خیال سے گھبرا گیا لیکن ایک بار پھر زندہ رہنے کی جبلت اس عارضی خوف پر غالب آگئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے احتیاط سے تابوت کو کھولا تاکہ لاش کو دیکھ کر خوفزدہ نہ ہو، اور اپنے آپ کو تیزی سے تابوت

جو بغیر کسی حفاظتی انتظامات اور تفتیش کے باہر آتی ہے وہ ہے مردوں کا تابوت۔ جب کبھی کسی کو پھانسی دے دی جائے یا وہ طبعی موت مر جائے تو ان کی لاشوں کو مردہ خانے سے تابوت میں ڈال کر بحری جہاز پر منتقل کر دیا جاتا ہے، جہاں پر غیر مسلح چند محافظوں کی نگرانی میں کچھ سادہ رسومات ادا کرنے کے بعد ان تابوتوں کو قبرستان میں دفن کرنے کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔

وہ محافظ ان تابوتوں کو بحری جہاز سے خشکی پر منتقل کرنے اور پھر دفنانے کے بعد واپس لوٹ آتے ہیں۔

اس کارروائی پر روزانہ صبح دس بجے اس صورت میں عملدرآمد کیا جاتا ہے کہ وہاں مردہ خانے میں مردہ اور تابوت موجود ہوں۔

آپ کے فرار کا واحد حل یہ ہے کہ اختتامی لمحات سے پہلے آپ کسی طرح کسی ایک تابوت میں پہلے سے مردہ شخص کے ساتھ لیٹ جائیں، معمول کی کارروائی اختتام پذیر ہو، بحری جہاز سے آپ زمین اور زمین سے قبرستان پہنچ جائیں۔

وہاں جا کر تابوت کو دفن کر دیا جائے، اور جیسے ہی عملہ وہاں سے واپسی کے لیے نکلے تو میں ہنگامی رخصت لے کر آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہاں پہنچ کر آپ کو قبر اور تابوت سے باہر نکال لوں۔ پھر آپ مجھے وہ رقم دے دیں جس پر ہم نے اتفاق کیا ہے، اور میں چھٹی کا وقت ختم ہوتے

پہنچنے تک شاید یہ پہلا لمحہ تھا جب اس نے تھوڑی سی راحت محسوس کی۔

اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ تابوت کو گڑھے میں اتارا جا رہا ہے، چند لمحوں بعد اسے تابوت کے اوپری حصے پر مٹی کے بکھرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی اور محافظوں کے بولنے کی آواز آہستہ آہستہ کم ہوتے ہوئے ختم ہو گئی تھی۔

اور اب اس اندھیری قبر میں وہ ایک عجیب صورتحال سے دوچار تھا، انسانی لاش کے ساتھ تین میٹر کی گہرائی میں وہ زندہ دفن تھا اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے لیے سانس لینا دو بھر ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے سوچا یہ بات درست ہے کہ وہ اس سنتری پر بھروسہ نہیں کرتا تھا، لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ دولت سے محبت سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے اور وہ سنتری وعدے کے مطابق لاکھوں کی رقم لینے کے لیے دولت سے اپنی محبت کی بدولت ضرور آئے گا۔

انتظار طویل ہوتا جا رہا تھا۔ جسم پر پسینہ بہنے کا احساس یوں ہو رہا تھا جیسے ہزاروں چیونٹیاں دھیرے دھیرے رینگ رہی ہوں۔ سانس دھونکی کی مانند تیز تیز چلنے لگی تھیں اور جس سے دم گھٹ رہا تھا۔

خود کو مطمئن کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ بس مزید دس منٹ کی بات ہے، اس کے

کے اندر مردے کے اوپر گرا دیا، اور اس وقت تک بے چینی اور پکڑے جانے کے خوف کے ساتھ وہ انتظار کرتا رہا جب تک کہ اس نے محافظوں کی آواز نہ سنی لی، وہ تابوت کو جہاز کے عرشے پر لے جانے کے لیے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ مردہ خانے سے لیکر جہاز پر پہنچنے تک اسے قدم بہ قدم جگہ کی تبدیلی کا احساس ہوتا رہا۔

جہاز کا لنگر اٹھنے سے لیکر پانی پر اس کی حرکت کو اس نے محسوس کیا، سمندری پانی کی مہک جب تک اس کے نتھنوں سے ٹکراتی رہی تب تک اس کا عدم تحفظ کا احساس برقرار رہا۔ جہاز ساحل پر پہنچ کر لنگر انداز ہوا، محافظوں نے کھینچ کر تابوت کو خشکی پر اتارا تو اس کے کانوں سے محافظوں کی گفتگو کے چند الفاظ ٹکرائے۔

وہ اس تابوت کے عجیب و غریب وزن کے بارے میں ایک دوسرے سے تبصرہ کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اتنے وزنی تابوت سے زندگی میں پہلی دفعہ پالا پڑا ہے۔

اس گفتگو سے اس کو رڑپتی قیدی نے عجیب سا خوف اور تناؤ محسوس کیا۔ وہ ڈر گیا تھا کہ کہیں یہ محافظ اس تابوت کو کھول کر دیکھ ہی نہ لیں کہ اندر کیا ہے۔ لیکن یہ تناؤ اس وقت ختم ہو گیا جب اس نے ایک محافظ کو لطیفہ سناتے ہوئے سنا۔

جس میں وہ زیادہ وزن والے قیدیوں کا مذاق اڑا رہا تھا۔ مردہ خانے سے لیکر قبرستان

شعلے کو گھڑی کے قریب لا کر اس نے دیکھا تو پتا چلا کہ پینتالیس منٹ سے زیادہ کا وقت گزر چکا ہے۔ گھڑی میں وقت دیکھ کر اب وہ حقیقی معنوں میں خوفزدہ ہو چکا تھا۔

ملگجی روشنی میں اسے محسوس ہوا کہ اس کا چہرہ مردے کے چہرے کے بالکل قریب ہے۔ اس نے خود سے سوال کیا، کیا مردہ شخص کا چہرہ دیکھنا اسے مزید خوف میں مبتلا کرے گا؟

جس اور خوف کے ساتھ اس نے اپنی گردن موڑی، شعلے کو لاش کے چہرے کے قریب کیا اور دہشت کے مارے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ مرنے سے پہلے اس نے دیکھا کہ یہ تو اس شخص کا چہرہ ہے جسے زندہ دیکھنے کی امید میں وہ یہاں زندہ دفن تھا۔ وہ اسی سنتری کی لاش تھی۔

☆.....☆.....☆

آرزو

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”تَاللّٰہ! لَوْ قِيلَ لِأَهْلِ الْقُبُورِ تَمَنُّوا
لَتَمَنُّوا بِوَمَآءِ مَنْ رَمَضَانَ“
ترجمہ: اللہ کی قسم! اگر قبر والوں سے کہا جائے کہ آرزو کرو تو وہ رمضان کے ایک دن کی آرزو کریں۔

انتخاب و مراد: صفیہ صدیق

بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اور وہ دوبارہ آزاد فضاؤں میں سانس لے گا اور ایک بار پھر روشنی دیکھے گا۔

سانس لینے میں دقت کے باعث اب وہ مسلسل کھانسنے لگا تھا۔ مزید دس منٹ گزر گئے۔ اس قبر میں آکسیجن ختم ہونے والی ہے، اور وہ سنتری ابھی تک نہیں آیا اسی سوچ میں تھا کہ اس نے بہت دور سے قدموں کی آہٹ سنی۔

ان آوازوں کے ساتھ ہی اس کی نبض تیز ہو گئی۔ ضروریہ وہ سنتری ہی ہوگا۔ آخر وہ آہی گیا۔ آواز قریب پہنچ کر!! پھر دور ہوتی چلی گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اسے ہسٹیریا کا دورہ پڑ رہا ہے۔ اسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے لاش حرکت رہی ہو۔

ساتھ ہی اس نے تصور میں دیکھا کہ اس کے نیچے دبا ہوا مردہ آدمی اس کی حالت پر طنزیہ انداز میں مسکرا رہا ہے۔

اچانک اسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں ماچس کی ڈبیہ ہے اور تیلی سلگا کر وہ اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ سکتا ہے کہ سنتری کے وعدے کے مطابق کتنا وقت گزر گیا تھا اور کتنا باقی ہے۔ اسے امید تھی کہ سنتری کے بتائے ہوئے وقت میں سے ابھی چند منٹ باقی ہوں گے۔

جب اس نے تیلی سلگائی تو آکسیجن کی کمی کے باعث مدھم سی روشنی نکلی۔

محمد مقصود احمد شہید



غازی عالم الدین شہید

غازی عاصم چیمہ شہید



قسط 10

کے نمبر دار اور باوقار بزرگ تھے۔ بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے اکلوتے فرزند سے نوازا تھا۔ اس لیے اپنی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور کی بڑی محبت اور شفقت سے پرورش کی۔ مگر عمر نے وفانہ کی اور مرید حسین ابھی پانچ برس کے تھے کہ والد بزرگوار کے سایہ سے محروم ہو گئے۔

والدہ بڑی جہاندیدہ اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ اس لئے اپنے مرحوم سرتاج کی یادگار اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی۔

قرآن حکیم اور دوسری دینی کتب کی تدریس کے لیے سید محمد شاہ صاحب خطیب و امام مسجد جامع

اس کا دل جانے کب سے جل رہا تھا، مگر جل جل کر کوئلہ نہیں سمٹتا رہا تھا۔

غازی علم دین، غازی عبدالرشید اور غازی عبدالقیوم کی شہادتوں کے بعد وہ بے قرار رہنے لگا کہ کب موقع ملے اور وہ بھی راہِ عشق و وفا پر گامزن ہو جائے..... بالآخر اس کی قسمت جاگ اٹھی.....

☆.....☆.....☆

آپ کا اسم گرامی مرید حسین تھا اور اسیر تخلص تھا۔ 1915ء میں بھلہ شریف تحصیل چکوال کے معزز کھوٹ قریش گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ خان اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی غلام عاشق تھا۔ چوہدری عبداللہ خان اپنے علاقے ”بھلہ“

برطانیہ کے کارندے جو سلوک روار کھتے اور توقعات وابستہ رکھتے تھے، مرید حسین جیسا غیرت مند مرد مؤمن اے کب برداشت کر سکتا تھا؟

ویسے بھی آپ کی نیک طبیعت دنیاوی نمود و نمائش سے متنفر تھی۔ جلد ہی نمبر داری نظام کی خرابیوں سے باخبر ہو گئے اور اس جنجال اور غلامی کے جوئے سے گلو خلاصی کرا لی اور یکسو ہو کر قوم کی اصلاح اور ملت اسلامیہ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ آپ صلوٰۃ و صوم کے سختی سے پابند اور ہمیشہ با وضو رہنے کے عادی تھے۔

نماز باجماعت کی پابندی کی یہ حالت تھی کہ اللہ اکبر کی آواز کان میں پڑتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور خانہ خدا میں پہنچ جاتے۔

کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کھانا کھا رہے ہیں اور اذان کی آواز سن کر کھانا وہیں چھوڑ دیا اور مسجد پہنچ گئے۔ بھلہ سے چکوال صرف پانچ میل دور ہے۔ آپ اکثر چکوال جاتے رہتے۔ وہیں علامہ عنایت اللہ خان المشرقی کی مشہور خاکسار تحریک کی عسکریت سے متاثر ہوئے اور خاکسار بن گئے لیکن آپ کی عشق رسالت ﷺ میں ڈوبی ہوئی روح کو کما حقہ سکون میسر نہ آیا۔

چنانچہ روحانیت کی پیاس آپ کو حضرت پیر خواجہ عبدالعزیز صاحب چشتی چاچڑ شریف ضلع سرگودھا کے پاس لے گئی۔ خواجہ چاچڑوی (پیر صاحب سیال شریف کے مرید) کے دستِ حق

بجلہ شریف کی خدمات حاصل کی گئیں۔ عام تعلیم کے لیے آپ کو قریبی کرایالہ کے اینگلو سنسکرت مڈل اسکول میں داخلہ کرا دیا گیا۔ آپ شروع سے ہی ذہین اور محنتی تھے۔ مڈل ایج نمبروں سے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول میں زیر تعلیم رہے۔

31 - 1930ء میں میٹرک میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ اس سے آگے بھی تعلیم کا شوق اور وسائل رکھتے تھے، لیکن گھر کی ذمہ داری اور گاؤں کی نمبر داری کے بوجھ سے مجبور ہو کر یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔

خاندانی شرافت، دینی تعلیم اور نیک سیرت والدہ کی تربیت نے آپ کو اسلام کا سچا شیدائی بنادیا۔ مذہب سے گہرے لگاؤ کا ہی اثر تھا کہ کسی انسان کو کبھی دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے۔ ہندوؤں کی ستم نظریں اور مسلمانوں کی زبوں حالی نے آپ کو خدمتِ خلق کے کاموں کی طرف مائل کر دیا۔ زندگی کے بے ثباتی اور خدمتِ خلق کی اہمیت کا اظہار اپنے ایک شعر میں آپ نے یوں کیا:

زندگی اس دارِ فانی کی مگر کچھ بھی نہیں خدمتِ خلقِ خدا نہ کی اگر کچھ بھی نہیں تعلیم سے فارغ ہونے اور نمبر داری کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد خاموشی سے عوامی فلاح و بہبود اور خدمتِ خلقِ خدا میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ غلامی کا دور تھا۔ نمبر داروں سے حکومت

پرست پر بیعت کر کے ان کے حلقہ مریداں میں شامل ہو گئے۔

غازی صاحب کے ہاں مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے اخبار ”زمیندار“ کا مطالعہ معمول تھا۔ آپ آریہ سماج اور دوسری ہندو تحریکوں، پارٹیوں اور انجمنوں کی اسلام دشمنی کی خبریں اکثر پڑھتے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے۔ ادھر بھلہ اور کریالہ کے متمول ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی غیرت مند طبیعت، متعصب اور دیدہ دہن ہندو بنیوں سے سخت متنفر ہو گئی۔ یہ نفرت یہاں تک بڑھی کہ آپ نے راج پال لاہوری اور تھورام سنگھ کی شان رسالت میں گستاخوں کے بعد ہندوؤں سے ہر قسم کا تعلق منقطع کر لیا۔ حتیٰ کہ ان کی بسوں میں سفر کرنا بھی چھوڑ دیا اور جہاں بھی جانا ہوتا پیدل جاتے۔ اسی طرح اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر مسلمانوں کی اپنی دکانیں کھلوا دیں اور مقامی مسلمانوں کی ایک انجمن بنا کر ہندوؤں کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا۔

اس پر ہندوؤں نے جن میں بھائی پرمانند (کریالہ) جیسے بڑے بڑے سیاسی لیڈر بھی شامل تھے، سرکاری دباؤ ڈلوا کر غازی صاحب کو رام کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن غازی صاحب نے نہ ڈرنا تھا نہ ڈرے۔ تحریک کو جاری رکھا اور اس طرح قیام پاکستان سے بہت پہلے بھلہ کریالہ

میں پاکستان بنادیا۔

ایک مرتبہ مرید حسین رسالپور میں ایک دوست کے پاس گئے، جہاں انہوں نے اپنے کپڑے دھلائی کے لئے دیئے۔ جب کپڑے دھل کر آئے تو انہوں نے پہننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ”یہ کسی ہندو نے دھوئے ہیں۔ ان سے بدبو آرہی ہے۔“ تحقیق کرنے پر یہ بات درست ثابت ہوئی۔

☆.....☆.....☆

1935ء میں بیس سالہ مرید حسین کی شادی خانہ آبادی ہوئی۔ شادی کے چند روز بعد آپ کو خواب میں جناب سرور کونین رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی، جس کا ذکر آپ نے بعد میں اپنے پنجابی کلام میں بھی کیا۔

اس دیدار نے پاک دل و پاکباز مرید حسین کی زندگی میں عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ آپ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں ہر گھڑی بے چین و بے قرار رہنے لگے اور اسی دوران قدرت خداوندی نے آپ کے عشق کی آزمائش کا سامان پیدا کر دیا۔

1936ء کی بات ہے کہ ایک روز چکوال میں آپ نے روزنامہ ”زمیندار“ میں ”پلول کا گدھا“ کے عنوان سے ایک المناک خبر پڑھی۔ سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے..... تن بدن میں آگ لگ گئی اور کیوں نہ لگتی؟..... کوئی بھی مسلمان ایسی

گستاخی کو کیسے برداشت کر سکتا تھا.....؟

خبر میں بتایا گیا تھا کہ شفا خانہ حیوانات پلول ضلع گوڑگانوں کے انچارج ڈاکٹر گوپال لعین نے انسانیت کے محن اعظم ﷺ کی شان میں شرمناک دریدہ دہنی و گستاخی کی ہے۔

ہندوستان بھر میں جس جس کلمہ گو نے یہ خبر پڑھی یا سنی، اس کا خون کھول اٹھا۔ مسلمانوں کے وہ زخم جو سوامی شردھانند، راج پال لاہوری اور نتھورام سندھی نے پیغمبر اسلام ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کر کے لگائے تھے، ہرے ہو گئے۔ اخبارات میں احتجاجی بیانات کا سلسلہ شروع ہو گیا، لیکن سرکار برطانیہ پر صرف اتنا اثر ہوا کہ اس گستاخ زمانہ ڈاکٹر کو پلول سے ہندوؤں کے قصبہ ناروند ضلع حصار میں تبادلہ کر دیا گیا۔

مسلمانوں کے دل فگار اور آنکھیں اشکبار تھیں۔ وہ اپنا رنج و الم کس سے بیان کرتے؟ ہندو اور فرنگی سامراج نے مسلم آزادی اپنا وطیرہ بنا رکھا تھا۔ رہ رہ کر ان کو غازی عبدالرشید، غازی علم دین اور کراچی کے غازی عبدالقیوم کی یاد آنے لگی۔

مسلمانوں کی دل آزاری کی یہ خبر پڑھ کر عاشق رسول ﷺ مرید حسین کی حالت کیا تھی؟ اس کے کما حقہ بیان سے زبان قلم قاصر ہے۔ لوگ صرف اتنا جانتے ہیں کہ آقا ﷺ کی حرمت و ناموس کا بدلہ لینے کا عزم کرنے کے بعد غازی مرید حسین نے اصرار کر کے والدہ محترمہ سے اجازت

لی کہ وہ ایک اہم کام پر جا رہے ہیں۔

پھر بھیرہ پہنچ کر بھائی کو خط لکھا کہ میں ایک ضروری کام پر جا رہا ہوں، اس لیے سب کچھ اللہ اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔

بھیرہ ہی سے آپ نے ایک دودھارا خنجر خریدا اور چاچر شریف میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں کیا کیا راز و نیاز کی باتیں ہوئیں؟ یہ راز ان کے شیخ، غازی مرید حسین اور کاتب تقدیر کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

البتہ اتنا ضرور ہوا کہ مرید حسین خواجہ صاحب کو مل کر باہر نکلے تو اپنے آنسو پونچھ رہے تھے۔ لوگوں نے ان سے بہت پوچھا کہ رونے کی وجہ کیا ہے؟ لیکن انہوں نے کچھ نہ بتایا اور چاچر سے تشریف لے گئے۔ شیخ سے ملاقات کے بعد واپس گھر پہنچے۔

اب آپ ایک فیصلہ کر چکے تھے اور اس مقام پر کھڑے تھے، جہاں ایک طرف بیوہ ماں کی شفقت، وفا شعار بیوی کی محبت، برادری کے بندھن، دنیاوی مصلحتیں، سینکڑوں کنال زمین، لہلہاتے کھیت اور تیار فصلیں تھیں، اور دوسری طرف عشق رسول ﷺ کا امتحان تھا۔

عقل سوچتی رہ گئی، مگر عشق نے فیصلہ دے دیا۔ آپ سیدھے چکوال گئے اور ڈاک خانہ سے اپنی جمع شدہ رقم میں سے سات سو روپے نکلوائے (اس زمانہ کے سات سو روپے آج کل کے ستر ہزار سے بھی زیادہ تھے) اور کسی کو بتائے

بغیر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

چکوال سے آپ پہلے لاہور پہنچے پھر سیدھے دہلی چلے گئے، وہاں سے حصار گئے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رام گوپال ایک ماہ کی چھٹی پر پشاور چلا گیا ہے۔

آپ پھرتے پھرتے واپس پشاور پہنچ گئے، لیکن ملعون ڈاکٹر پشاور سے نارنوند جا چکا تھا۔

غازی مرید حسین اس کے تعاقب میں 16 اگست 1936ء کو دوبارہ حصار پہنچ گئے۔

پوچھتے پوچھتے آپ اس ہسپتال جا پہنچے، جہاں گتاخ زمانہ رام گوپال متعین تھا۔ اسے غور سے دیکھا اور شکار کو سامنے پا کر دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ ڈاکٹر کی رہائش گاہ دیکھی، حالات کا جائزہ لیا، پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا۔ ایک مسافر کی حیثیت سے نماز ظہر ادا کی اور بارگاہ رب العزت میں یوں دعا مانگی:

”اے اللہ!..... تیرے اس نجف و نزار اور ناچیز بندے کو اپنے آبائی وطن سے سینکڑوں میل دور کافروں کی بستی نارنوند میں تیرے محبوب ﷺ کی محبت جس مقصد کے لیے بھیج لائی ہے، اس میں کامیابی و کامرانی عطا فرما“

اگست کا مہینہ تھا۔ شدید گرمی تھی۔ ڈاکٹر کی رہائش ہسپتال سے ملی ہوئی تھی۔ صحن میں قدم رکھا تو سامنے درختوں کے گھنے سائے میں ملعون سو رہا تھا، جس نے کروڑوں مسلمانوں کی نیندیں حرام

کر رکھی تھیں۔ قریب ہی دوسری چار پائی پر اس کی بیوی کشیدہ کاری میں مصروف تھی۔ بچے کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سوئے ہوئے تھے۔ ہسپتال کا عملہ سب کا سب ہندو تھا اور وہ بھی اس جگہ سے زیادہ دور نہ تھا۔

رام گوپال کے بالکل نزدیک پہنچ کر غازی نے بے خوف و خطر نعرہ لگایا:

”اللہ اکبر.....“ پھر ملعون کی مخاطب کر کے پکارا:

”او گستاخِ زمانہ کافر اٹھ!..... آج محمد ﷺ کا پروانہ آبی گیا ہے۔“

غازی کی ناگہانی آواز سن کر بیوی بھی چونک اٹھی اور شوہر سے کہا:

رام گوپالا..... اٹھ کوئی مسئلہ آگیا ہے!“
ملعون رام گوپال آنکھیں ملتا اور دھوتی سنبھالتا اٹھا۔ بیوی اور نوکر چاکر مرید حسین کو پکڑنے کے لیے لپکے، مگر انہوں نے آن کی آن میں اپنا خنجر موذی کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ دھڑم سے ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ اسے قتل کرنے کے بعد غازی نے خنجر قریبی تالاب میں پھینک دیا اور خود بھی اس میں چھلانگ لگا کر تیرنے لگے۔

جاری ہے.....

☆.....☆.....☆

کھیل کے میدان میں وہ جیسے ہی پہنچا، کھیل شروع ہو گیا۔ سب بہت اچھا کھیل رہے تھے، علی نے ایک زوردار چھکا مارا اور گیند سیدھی خالہ آمنہ کی گھر چلی گئی۔

اوہ! اب کیا ہوگا؟
سب بچے سر پکڑ کر رہ گئے۔

وہ لوگ پہلے ہی محلے والوں کی ڈانٹ سن چکے تھے جن کے گھروں میں اکثر ان گیند چلی جاتی۔ اسامہ نے گیند لینے کے لیے خالہ آمنہ کے گھر جانے سے صاف انکار کر دیا۔
”میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا“ علی نے بھی ہاتھ کھڑے کر دیے۔

منیب نے جلدی جلدی اپنا ہوم ورک مکمل کیا اور بیگ کو میز پر رکھ کر باہر کی جانب بھاگا۔

آج کل ویسے بھی دن چھوٹے ہونے کی وجہ سے اسے کھیل کا زیادہ وقت نہیں مل پاتا تھا۔

اسامہ، علی اور باقی سب کھیل کے میدان میں جمع ہو چکے تھے۔

سب اسی کا انتظار کر رہے تھے۔
”جلدی آؤ منیب!“

کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“
اسامہ نے اسے دور سے آتے ہوئے دیکھا تو آواز لگائی۔



کا ذکر اپنے دوستوں سے بھی کیا۔ اسے اتنا تو معلوم تھا کہ خالہ کا ایک جواں سال بیٹا، پچھلے سال روڈ ایکسڈینٹ میں فوت ہو چکا تھا۔

”اب اگر خالہ کا بیٹا بھی نہیں ہے تو گھر کے راشن وغیرہ اور باقی سب گھر کا خرچ کیسے ہوتا ہوگا؟“ سب بچے متفکر ہو گئے۔

وہ انہی سوچوں میں گم، نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد گھر واپس آ گیا۔ اسے بہت بے چینی ہو رہی تھی وہ خالہ کی بیٹی کو روتا ہوا دیکھ کر آیا تھا اسے اس بات کی فکر کھائی جا رہی تھی کہ ان کے راشن پانی کا بندہ کسے کیسے ہوتا ہوگا؟

اس نے اپنی امی کو کچن میں کھانا بناتے ہوئے دیکھا تو خود بھی وہیں چلا آیا۔

”امی خالہ آمنہ بیمار ہیں کیا؟“ اس نے ٹوکری سے گاجر کھانے کے لیے اٹھائی۔

”ہاں بیٹا! جب سے ان کے بیٹے کی موت ہوئی ہے وہ صدمے سے چور ہو گئی ہیں۔ بیچاری کی بیٹی بھی بیوہ ہو کر ماں کی دہلیز پر آ گئی ہے۔ اس قدر دکھی رہتی ہیں خالہ، اس لیے اب وہ کہیں آتی جاتی بھی نہیں۔“

امی نے آٹا گوندھ کر سائیڈ پر رکھا تو اسے سوچوں میں گم پایا۔

”تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“ امی کرسی کھینچ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

اس نے اپنی امی کو تمام صورت حال سے آگاہ

اسی طرح سب منیب کو گیند لے آنے پر اصرار کرنے لگے۔

آخر کار منیب نے حامی بھری اور دوڑتا ہوا خالہ آمنہ کے گھر میں داخل ہوا۔

منیب نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو دروازہ ہلکے اشارے سے کھلتا چلا گیا۔ سامنے ہی پودوں کے گملے رکھے ہوئے تھے۔

منیب نے گیند ڈھونڈنے کے لیے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، گملوں کے پیچھے ان کی گیند پڑی تھی۔

گیند اٹھا کر وہ واپس باہر کی طرف آنے لگا تو اسے بہت حیرت ہوئی کہ گھر میں کوئی داخل ہوا ہے اور گھر والوں کو کوئی خبر ہی نہیں۔

اس نے چپکے سے گھر کے اندرونی حصے کو دیکھا، وہاں اندھیرا ہو رہا تھا تو اسے کچھ واضح دکھائی نہ دے سکا۔ اس نے اندر جھانکنے کی مزید کوشش ترک کر دی۔

وہ دبے پاؤں واپس آ رہا تھا جب کمرے کے اندر سے خالہ آمنہ کی بیوہ بیٹی آتی ہوئی دکھائی دی۔ منیب نے نہایت ادب سے انہیں سلام کیا اور باہر آ گیا۔

اسے ان کا چہرہ بہت متاثر سا محسوس ہوا اسے لگا کہ جیسے انہیں کوئی پریشانی ہو۔

باہر آ کر وہ کافی دیر تک خالہ آمنہ اور ان کی بیٹی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس نے اس بات

جب بڑوں نے بچوں کے اس عمل کو دیکھا تو سب ہی انہیں سراہنے لگے۔

کچھ مخیر حضرات نے خالہ کے گھر کا خرچہ اٹھالیا اور چچا رمضان نے، جن کی سبزی کی دوکان تھی، ہر روز سبزی ان کے گھر فری دینے کا فیصلہ کیا۔

رمضو چچا کی دیکھا دیکھی سلیم چچا نے بھی راشن بھیجوانے کو عہد کر لیا۔ کہ ہر روز شام کو بچوں کے ہاتھ وہ دال صابن، سرف ضرورت کی ہر چیز بھیجوادیا کریں گے۔

اس طرح ان پر یا کسی پر بوجھ بھی نہیں پڑے گا۔

منیب کے ابو چوں کہ ملازمت پیشہ تھے مہینے کے بعد تنخواہ ملتی تھی تو بجلی کے بل کی ادائیگی انہوں نے اپنے ذمہ لے لی، اور چچا شفیع نے گیس کی بل کی۔

منیب اور اس کے دوستوں نے اپنے اپنے حصے کے چراغ روشن کر دیئے تھے۔ وہ اپنے آس پاس کے گھروں میں ضرورت کی چیزیں انہیں لا دیا کرتے۔

اب وہ میدان میں کھیلتے تو کوئی انہیں برا بھلا نہ کہتا بلکہ خوش ہو کر دعائیں دیتے۔

☆.....☆.....☆

کیا، اس کی امی نے اسے بتایا کہ خالہ آمنہ بہت ہی نیک اور ہمدرد خاتون ہیں۔ وہ خالہ کے گھر کے حالات اسے بتانے لگی۔

منیب نے امی کی باتیں سنی تو اسے بہت دکھ ہوا کہ نجانے ان کے گھر کے کیا حالات ہوں گے؟ اگلے دن منیب نے سب کے ساتھ ایک پلان بنایا، ان سب نے اس پلان کو کامیاب بنانے کا وعدہ کر لیا۔

وہ ہر روز شام کو کھیل کے میدان میں جمع ہوتے اور اپنی اپنی پاکٹ منی جمع کرتے اور ایک وقت کی سبزی اور چند پیسے خالہ کے گھر پہنچا دیتے۔

ہر روز کھیل کے میدان میں وہ کھیل بھی کھیلتے وہیں اس کام کی تکمیل بھی ہو جاتی، اس بات کو ایک ماہ مکمل ہو گیا تھا جب یہ بات بڑوں تک پہنچی، سب سے پہلے علی کے ابو، پھر اسامہ اس طرح بات منیب کے ابو نے بھی سن لی۔

سب کو ان کے اس عمل نے بہت متاثر کیا۔ وہ یہ سب سن کر بہت خوش ہوئے اور منیب کو شاباش دیتے ہوئے کہا کہ:

اگر اس طرح کے کام ہر گھر، ہر محلے کے بچے، بڑے، بوڑھے کرنے لگ جائیں تو شاید غربت کا خاتمہ ہو جائے۔

کیوں کہ ایک دوسرے کی مدد سے ہی اللہ پاک خوش ہوتے ہیں۔

مجاہد بن محمد ارہابی

وہ کون تھے؟؟؟

مہم میں ان کے ساتھ دیگر بہت سارے مسلمان بھی تھے۔ راستے میں ایک جگہ دشمن نے انہیں گھیر لیا اور پھر مظلومانہ انداز میں شہید کر دیا۔ جب ان کی شہادت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ بہت غمگین ہوئے اور آپ نے ان کے قاتلوں کے خلاف ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی اور ان کے خلاف بددعا کی۔

ان کو قتل کرنے والے جبار بن سلمیٰ تھے۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ میرے اسلام قبول کرنے کی یہ وجہ ہوئی کہ میں نے ایک شخص کے دونوں کندھوں کے درمیان نیزہ مارا۔ میں نے دیکھا کہ نیزے کی آئی اس کے سینہ کے پار ہو گئی۔ پھر میں نے اس شخص کو یہ کہتے سنا۔ فُزْتُ وَرَبَّ الْكَعْبَةِ۔ یعنی کعبہ کے رب کی قسم! میں نے اپنی مراد کو پالیا۔ اس پر میں نے

ان کا تعلق انصار کے قبیلے بنو نجار سے تھا۔ وہ لکڑیاں کاٹ کر بیچتے اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے اصحاب صفہ و دیگر محتاج مسلمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کیا کرتے تھے۔ وہ قرآن مجید کا درس بھی دیتے تھے، اس لیے وہ قاری کے لقب سے مشہور تھے۔ مسجد نبوی میں پانی کا انتظام کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ آپ کی ایک بہن حضرت اُم سلیم تھیں جو حضرت ابوطحہ انصاری کی اہلیہ اور حضرت انس بن مالک کی والدہ تھیں، گویا آپ حضرت انس بن مالک کے ماموں تھے۔ آپ کی دوسری بہن حضرت اُم حرام حضرت عبادۃ بن صامت کی اہلیہ تھیں۔ انھوں نے بدر اور احد میں شرکت کی اور خوب بہادری سے لڑے۔ سن چار ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دعوتی مہم پر روانہ فرمایا، اس

سفر ہجرت میں معاونت بھی فرمائی تھی۔ جبار بن سلمیٰ ان صحابی رسول کے نعرے اور عامر بن فہیرہ کی کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کی بہنوں سے کہا کرتے تھے کہ مجھے تمہارے بھائی پر ترس آتا ہے کہ وہ مظلومیت سے شہید کیے گئے۔

نوٹ: ان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بتائیں اور معرفت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاصل کریں

شمارہ رمضان المبارک کا درست جواب:
حضرت عتبہ بن أسید ثقفیؓ ابو بصیرؓ

☆.....☆.....☆

اپنے آپ سے کہا کہ یہ کیسے کامیاب ہو گیا؟ کیا میں نے اس شخص کو مار کر ختم نہیں کر دیا۔ جبار کہتے ہیں کہ میں نے بعد میں ان کے اس قول کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا مطلب شہادت پر فائز ہونا تھا اور شہید تو ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ بعد میں جبار کو پتا چلا کہ کامیابی کا نعرہ لگانے والی شخصیت حضرت انس بن مالک کے ماموں ہیں جن کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔

اسی لڑائی میں جبار نے ایک اور حیرت انگیز منظر بھی دیکھا تھا اور وہ یہ کہ جب ایک مسلمان کو شہید کیا گیا تو اس کا جسد تڑپ کر اچھلا اور پھر فوراً غائب ہو گیا۔ جن مسلمان کا جسد غائب ہوا تھا وہ عامر بن فہیرہ تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کے اعلام یافتہ

ہمشیر محمد احمد

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

دانیال حسن۔ بنت عبد البہادی۔ نائلہ۔ کامران خان۔ محمد عبد الباقی۔ احمد عفان۔
کفایت اللہ۔ عمار حسین۔ محمد عمر۔ عبد المجید شاہ۔ عائشہ شفقت اللہ۔ محمد حسنین۔
تحريم۔ احمد علی۔ سعد اللہ۔ ام رومان۔ محمد خلیق۔ انس مختیار۔ کلثوم بی بی۔ آمنہ حبیب۔



عید کی حقیقی خوشی

”امی مجھے نہیں

پتا کچھ بھی۔ مجھے نئے کپڑے، چوڑیاں

اور جوتے چاہیے بس“

ان کو معلوم تھا

عائشہ کی ضدی طبیعت کا لیکن وہ پھر بھی

اپنی سی کوشش کر رہی تھیں۔

والد کے گزر جانے اور حالات بگڑنے کے

بعد وہ یونہی چڑچڑی سی ہو گئی تھی۔

”تو کیا اس بار بھی ہم عید نہیں منائیں

گے؟“ امی آپ ہر دفعہ یونہی کرتی ہیں کیا عید صرف

امیروں کی ہوتی ہے؟؟؟ عائشہ نے ان کی بات کو

نظر انداز کرتے ہوئے بدتمیزی سے سوال کیا۔

”ایسا نہیں کہتے بیٹا! عید پر اگر نئے

کپڑے نہ بھی ہوں تو سب سے اچھے جو کپڑے

آپ کے پاس ہوں وہ پہن کر عید منانی چاہیے۔

عید تو اللہ پاک کا انعام ہے۔ جو روزے داروں کو

دیا جاتا ہے۔“ عائشہ کے بدتمیزی سے بولے جانے

والے جملے کا اثر ان کے چہرے پر نظر آ رہا تھا۔ وہ

عائشہ نے ضدی لہجے میں کہا۔

”بیٹا! ہر سال تو میں لے کر آتی ہوں نا آپ

کے لیے عید پر نئے کپڑے اور جوتے، اس بار

آپ کو پتا ہے نارمضان کی وجہ سے کتنی مہنگائی ہو

گئی ہے اوپر سے آپکی سکول فیس بھی زیادہ ہو گئی

ہے۔ بس اللہ کا شکر ادا کریں کھانے کو مل رہا ہے

کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے پڑ رہے۔“ تیرہ

سالہ عائشہ کو ناجیہ بیگم نے سمجھانے کی نے بھرپور

کوشش کی۔

”امی! میری باقی دوستوں کے پاس نئے

کپڑے ہوں گے تو میں وہی پرانے پہنوں گی“

عائشہ کی سوئی اس ہی بات پہ اٹکی ہوئی تھی۔

”بیٹا! ان کے ابو حیات ہیں اور میں اکیلی

جان کیا کیا کروں؟“ ناجیہ بیگم بات مکمل کرنے

کے لیے مناسب الفاظ سوچ رہی تھیں۔

نہیں کی گئی تھی۔ یہ بات عائشہ کو غصہ دلا رہی تھی۔ کیونکہ سب دوستوں نے خریداری کر لی تھی۔

☆.....☆.....☆

”تمہاری عید کی تیاری ہوگئی؟“ سکول گراؤنڈ میں جب عائشہ اداس بیٹھی تھی تب اس کی دوست ثنائے اسے دیکھ کر سوال کیا۔

”نہیں۔“ عائشہ نے مختصر جواب دیا۔ اس کی آواز سے ہی اداسی جھلک رہی تھی۔

”اب تم عید پر کیا کرو گی؟“ ثنائے کے سوال پر وہ اسے دیکھنے لگی۔

”پتا نہیں۔ سب کی امی اتنی اچھی ہیں۔ میری امی ہی ایسے کرتی ہیں۔ سارہ کو دیکھا ہے تم نے۔ اس کے بابا بھی نہیں ہیں پھر بھی اس کے پاس عید کے لیے نئے کپڑے ہیں۔“ عائشہ نے غصے سے سوچا۔

ابھی وہ یہ بیٹھی سوچ رہی تھی کہ ایک بچے نے آکر اسے بتایا کہ چوکیدار انگل اسے بلارہے ہیں۔ عائشہ بے زاری سے چوکیدار کی جانب بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

”اللہ تعالیٰ! پیلیز میری امی کو بچا لیجیے! میں کبھی ان سے کوئی ضد نہیں کروں گی“ عائشہ ہچکیوں سے روتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی۔ کل اس کو محلے کی ایک آٹھی ہی لینے آئی تھیں کہ ان کے پاس (جہاں اس کی امی کام کرتی تھیں) فون آیا تھا۔ ناجیہ بیگم کام کرتے کرتے چکر کر گر پڑیں تھیں اور

دل ہی دل میں بے بسی سے رب سے فریاد گو تھیں کوئی معجزہ ہو جائے بس۔

☆.....☆.....☆

”میں ایسا کرتی ہوں یہ بالیاں بیچ کر۔۔۔“ ناجیہ بیگم نے اپنی سونے کی بالیاں ہاتھ میں لے کر سوچا۔

”بیگم! برائے مہربانی کبھی بھی ان کو خود سے دور کر کے مجھے تکلیف مت پہنچائیں۔ یہ میں نے خاص تمہارے لئے خریدے تھے۔ بے اختیار ان کے کانوں میں مرحوم شوہر کے الفاظ گونجے جو انہوں نے بالیاں پہناتے ہوئے کہے تھے۔

وہ مالی پریشانی سے زیادہ اب ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو رہی تھیں۔ عائشہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جو شادی کے دس سال بعد ان کے گھر میں اللہ کی رحمت بن کر نازل ہوئی تھی۔ جب تک شوہر حیات تھے انہوں نے ہر خواہش پوری کی تھی کوئی ضرورت ایسی نہیں تھی جو پوری نہ کی ہو۔ اس کو ہر چیز بنا کہے ہی وقت پر مل جاتی تھی۔

مگر شوہر کی ایکسڈنٹ میں وفات کی وجہ سے ناجیہ بیگم بھری دنیا میں اکیلی ہو گئیں تھیں اور گھروں میں کام کر کے زندگی کی گاڑی کو دھکا دیے ہوئے تھیں۔ ایسے میں عائشہ کی فرمائشیں پوری کرنا ناممکن تھا۔

اس مرتبہ پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ عید میں صرف دو دن باقی تھے اور اس کی عید کی خریداری

وقت ایک نرس نے ناجیہ بیگم کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی۔

عائشہ آنتی کے ہمراہ دوڑ کر اندر بڑھی۔

”عائشہ بیٹا! ناجیہ بیگم ہلکی آواز میں اس کا نام پکار رہی تھیں۔

”امی، امی میری امی“

عائشہ ان سے لپٹ گئی۔

”میری بچی! مجھے معاف کر دو! میں

تمہارے عید کے کپڑے۔۔۔“ ناجیہ بیگم نے بولنے کی کوشش کی لیکن سر میں درد کی شدت

سے ان سے بولا نہ گیا۔

”نہیں امی! ایسا مت کہیں۔ میں بہت بری

بیٹی ہوں۔ ہر وہ دن میرے لیے عید کا دن ہے۔

جب میری امی میرے ساتھ ہیں۔ آپ کے سوا میرا

کوئی نہیں ہے آپ ہیں تو عید ہے۔

آپ نہیں تو۔۔۔“ عائشہ پھوٹ پھوٹ کر رو

دی۔ ناجیہ بیگم نے سرخ پڑتی آنکھوں سے عائشہ

کی طرف دیکھا۔ جو بات وہ عائشہ کو نہیں سکھاسکی

تھیں۔ وہ ایک حادثے نے اسے سکھا دی تھی۔

اگلے دو گھنٹے بعد ناجیہ بیگم ڈسچارج ہو کر گھر آ

گئیں تھیں۔ عائشہ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اگلا دن عائشہ کے لیے واقعی ”عید“ کا دن تھا۔

☆.....☆.....☆

بے ہوش ہو گئیں تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ شدید

ذہنی دباؤ کی وجہ سے ان کے دماغ نے کام کرنا

چھوڑ دیا تھا۔ اللہ نے کرم کیا تھا کہ اس وقت ایک

نورانی نے گرتے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے اٹھا

کر ہسپتال پہنچایا اور فوراً ان کے موبائل سے ان

کے محلے کی آنتی کو فون کر کے اطلاع دی۔ دن

سے لے کر اب تک ان کو ہوش نہیں آیا تھا۔

افطاری کا وقت بھی گزر چکا تھا۔ عائشہ نے بہ مشکل

پانی کے چند گھونٹ پی کر روزہ افطار کیا تھا۔ وہ

مخمسلسلے روئے جا رہی تھی۔

”ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ دوائیں

دی جا رہی ہیں۔ آپ دعا کریں۔ اللہ بہت بڑا

ہے۔“ دن سے لے کر اب تک ہر ایک ڈاکٹر ان

سے اس ہی طرح کی باتیں کر رہا تھا۔

”آنتی! میری امی ٹھیک تو ہو جائیں گے نا؟“

ہر بار ڈاکٹر کی بات سن کر عائشہ ایک ہی سوال

کرتی۔ رات کو عید کا چاند نظر آ گیا تھا۔

ہر طرف گہما گہمی تھی۔ ہسپتال کے کوریڈور میں

بیٹھے ہوئے اپنی کبی ہوئی ہر تلخ بات عائشہ کے

ذہن میں گھوم رہی تھی۔

”اللہ جی! مجھے معاف کر دیں! میرا تو امی کے

سوا کوئی نہیں ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ نہ کپڑے نہ

جوتے۔ مجھے بس میرے امی ہی دے دیں۔“ عائشہ

چاند دیکھ کر روتے ہوئے دعا کر رہی تھی۔

”آپ میں سے عائشہ کون ہے؟“ اس ہی



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نبلاء، بوجھ بھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

رکھ دیا گیا۔

(میمونہ طیبہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بھکڑ!

مجھے عینک لگی ہوئی ہے کوئی حل بتائیں کہ اس

سے جان چھوٹ جائے؟

☆ ٹیک ایک اتار کر احتیاط سے نکلیں رکھ دیں

اور سوک پر نکل جائیں، امید ہے جان چھوٹ

جائے گی۔

(ہمشیرہ محمد احمد، سکھر)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بھکڑ صاحب!

جناب عالی! سردی جاتے جاتے پھر رک

گئی گرمی آ کر ہی نہیں دے رہی اور ہم آم کھانے کو

بے تاب ہیں۔ کوئی حل تجویز کریں۔

☆ امرود کا کام آم رکھ کر کھائیں اور لوگوں کو

اس خوبصورت موسم کا مزہ لینے دیں۔

(قاری عبدالباسط - کراچی)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بھکڑ!

آپ کا نام ”بوجھ بھکڑ“ کب رکھا گیا تھا؟

☆ جب میں بوجھ بھکڑ بنا تو میرا نام بوجھ بھکڑ

محترم بوجھ بھکڑ صاحب!
 مشعل، چراغ اور دیا میں کیا فرق ہے؟
 ☆ تینوں میں پہلا عربی ہے اور دوسرا
 لہائی اور تیسرا لٹین ہے۔
 (ہمشیرہ ابوبکر، ہیڈ راجاں)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بھکڑ صاحب!
 مجھے کہانیاں لکھنے کا بہت شوق ہے مگر اسے
 شروع کیسے کرنا ہے اس پر میں پھنس جاتا ہوں۔
 کوئی تجویز دیں کہ میں کہانی لکھ سکوں؟
 ☆ شروع سے آگے لکھنا شروع کر دیا کروں۔
 (امین الدین، فیصل آباد)

☆.....☆.....☆

جناب بوجھ بھکڑ صاحب!
 وہ کیا چیز ہے جسے ہم کھا بھی سکتے ہیں اور پی
 بھی سکتے ہیں؟

☆ سر سے کی دال

(عالیہ حسین، چنیوٹ)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بھکڑ صاحب!
 مجھے موبائل کی بہت بری لت لگی ہوئی ہے
 اس کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ کیا کروں؟
 ☆ سوال گوشت کھانہ کی عادت سے دل دلوں۔
 (محمد بختیار، کراچی)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بھکڑ صاحب!
 آگے جاتے گھٹنے ٹیٹیں، پیچھے دیکھتے آنکھیں
 پھوٹیں کا کیا مطلب ہے؟
 ☆ اس بندے کے آگے گھبرا گھبرا ہے۔
 چچے چچے تھرم لارہ ہے میں۔
 (زنیرہ جنیل، راولپنڈی)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بھکڑ صاحب!
 اس عید پر ہم سے کیا تحفہ لیں گے۔ جلدی
 بتائیں آپ کی ذہانت مشہور ہے تو ہماری سخاوت
 مشہور ہے۔

☆ مہال سخاوت مشہور ہے وہیں سخاوت

☆ کھائیں ہم ہر گز نہیں سے تحفہ قبول کرتے ہیں۔

(بنت نور الہی، سکھر)

☆.....☆.....☆

والسلام!
حمزہ علی

☆.....☆.....☆

محترم و مکرم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
مدیر انکل کیا حال ہے؟ امید واثق ہے خیریت
سے ہونگے اور ہمارے پیارے چاند سے رسالے کو

محترم و مکرم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
امید ہے خیریت سے ہونگے۔

بہت سے رسائل نظروں سے گزر رہے ہیں
لیکن ”مسلمان بچے“ کی الگ شان ہے۔
یہ ایک ایسا منفرد رسالہ ہے جو نو نہالوں کی
اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ نظریہ جہاد بھی ان



آدھی ملاقات

نکھارنے میں مصروف ہونگے۔
مسلمان بچے کے سبھی سلسلے بہت اچھے ہیں۔
انکل یہ میرا پہلا خط ہے اس کو شائع فرما کر ہماری
حوصلہ افزائی کیجئے تاکہ ہم آئندہ اپنے رسالے کے
لیے کچھ لکھ سکیں۔
آخر میں تمام مجاہدین بھائیوں کو سلام اور ہاں! ایک

کے دلوں میں راسخ کرتا ہے۔ زیر طیب صاحب
کی ”جانناز“ ولولہ انگیز کہانی ہے مکمل ہو چکی ہے
کتابی شکل میں کب تک آئے گی؟
دیگر سلسلے بھی دلچسپ ہیں۔ بوجھ بھکڑ صاحب
کو ذرا زیادہ جگہ دیا کریں۔ ایک صفحہ ہوتا ہے جو
نا کافی ہے۔

بندی کو ایک اچھی سی دعا سے نوازیں اور آخر
میں سب کو میری طرف سے سلام اور دعاؤں کی
درخواست!
والسلام!
سلمہ عبدالجبار

☆.....☆.....☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مجاہدین، بچے، بڑے سب خیریت
سے ہونگے۔ پہلی بار خط لکھنے کی جسارت کی ہے
امید ہے مایوس نہیں کرینگے اور نہ ہی ردی کی
ٹوکری کی غذا بنے گا۔
اگر آپ میرا خط شائع کرینگے تو چار کے
بجائے آٹھ چاند آپ کے اس شمارے کو لگ
جائیں گے۔ ویسے بھی ہمیشہ سے آپ کا شمارہ
زبردست رہا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت صدقہ
جاریہ رہے گا۔ تمام قارئین سے دعاؤں کی
درخواست ہے۔

والسلام!

مقدس بانو

☆.....☆.....☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بھائی ابو امامہ صاحب!

اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ آپ اور سالہ
مسلمان بچے کی سب ٹیم خیریت سے ہونگی۔ اللہ
پاک آپ کو سب کو خوش اور سلامت رکھے۔

بات تو میں بالکل بھول گئی کہ انکل جی ہمارے اس
چھوٹے پیارے منے سے خط کو (وہ ردی کی بالٹی
جو ہے نا؟ اُس سے سخت قسم کی الرجی ہے لہذا اس
خط کو اُس بالٹی سے سخت پرہیز کرائی جائے۔)
والسلام!

عظمیٰ شہزادی

☆.....☆.....☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ آپ اور آپ کے
تمام ذمہ داران و کارکنان خیر و عافیت سے ہوں
گے۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کی پوری ٹیم کی
حفاظت فرمائے۔ آمین
تمام لکھاری بہت اچھا اور محنت و ذوق سے
لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو مزید لکھنے کی توفیق
عطا فرمائے۔ آمین
اور آخر میں ایک بات.....
وہ یہ ہے کہ جناب بوجھ بھکڑ کا اصلی نام کیا
ہے.....؟

بہت سے قارئین و قاریات نے بھی ان سے
اپنا نام پوچھا تھا لیکن وہ بتاتے نہیں..... اور ٹال
مٹول کر دیتے ہیں۔

اب آپ ہی مہربانی فرما کر ان کا اصلی نام
بتادیں۔

اچھا! اب اجازت چاہتی ہوں لیکن جاتے
جاتے ایک چھوٹی سی فرمائش.....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بھائی ابوامامہ صاحب!

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ آپ سب کو دنیا اور آخرت کی تمام خوشیاں دے اور رسالے کو قیامت تک جاری و ساری رکھے۔ آمین

بھائی جی مجھے سمجھ نہیں آتی آپ لوگ اتنی ڈھیروں دعائیں کہاں سنبھال رکھتے ہیں اور اتنے

سلام کیسے ہضم کرتے ہیں۔ مجھے حسد تو نہیں ہے لیکن تھوڑا تھوڑا سار شک کہ لوگ مجھے دعائیں دیا کریں۔

یہ مقام تو اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے۔ جو دین میں عزت وہ کہیں بھی نہیں ہے۔ سچ

بات ہے آپ اور تمام مجاہد بھائیوں اور تمام قارئین کرام کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ دعا ہے کہ

اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا اور آخرت میں ایسی زندگی نصیب کرے جو ہر طرف سلام سلام ہو۔ آمین

رسالہ سے رشتے تو بہت پرانا ہے۔ اتنا کہ اس میں لکھنے والے سب اپنے گھر کے افراد معلوم

ہوتے ہیں۔ اگر کسی شمارے میں پرانے لکھاری کا نام نظر نہ آئے تو اسی سی چھا جاتی ہے۔ پھر سے

اگلے شمارے کا انتظار شروع ہو جاتا ہے۔ اگلے شمارے میں شاید اُن کی کوئی تحریر ہو۔

اب تو نئے لکھاری بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ اللہ مزید ہمت دے۔ آمین

والسلام

کامران ظفر، بہاولپور

ماشاء اللہ اس رسالہ مسلمان بچے کو پڑھ کر

بہت سے چھوٹے اور بڑے سب انسان بہت متاثر ہو رہے ہیں اور بہت شوق سے اس رسالہ کا

مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم آپ سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ کی ٹیم اس رسالہ میں بہت محنت

کر رہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ سب کو کامیابی و کامرانی نصیب فرمائیں۔

میں بھی ماشاء اللہ اس رسالہ مسلمان بچے کو پڑھ کر بہت متاثر ہوا ہوں۔ اس لیے میری بھی

خواہش ابھری دل میں کہ میں بھی اس رسالہ مسلمان بچے میں حصہ لوں تاکہ میں بھی اپنے

لفظوں کا اظہار کروں۔ ان شاء اللہ میں بھی بھرپور کوشش کے ساتھ قرآن و سنت کے مطابق

لکھوں گا۔

میں آپ سے دل کی گہرائیوں سے اور دل کی تمنائوں کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ میرے

لیے اور سب کے لیے دعا کرنا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کاوش میں کامیاب و کامران کرے۔ تاکہ ہم

سب دنیا و آخرت کی کامیابی تک پہنچ سکیں۔

اللہ پاک آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔ اللہ پاک ہم سب کو نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا

فرمائیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب فرمائیں۔ اب اجازت چاہوں گا۔

والسلام!

محمد مزمل، ساہیوال



عیدالاضحیٰ

بچوں کا جوش دیکھ کر ٹچر رانیہ دھیماسا مسکرا دیں۔
 انہوں نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:
 عید الفطر مسلمانوں کے لیے خوشیوں بھر دان
 ہے۔ لفظ عید کا معنی ہے لوٹ کر بار بار آنا۔
 چونکہ یہ خوشی کا دن ہر سال لوٹ کر آتا ہے
 اس لیے اسے عید کہا جاتا ہے۔
 اللہ رب العزت کا فرمان ہے:
 روزوں کی تعداد پوری کرو اور اللہ کی بڑائی
 بیان کرو، کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور اس کا
 شکر ادا کرتے رہو۔ (سورۃ البقرہ 185)

آج رمضان المبارک کا آخری جمعہ تھا۔ دہم
 جماعت کے طلباء بے صبری سے ٹچر رانیہ کے
 پیریڈ کا انتظار کر رہے تھے۔
 کیونکہ دو روز قبل حمزہ نے ٹچر سے عید الفطر کی
 فضیلت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ ٹچر رانیہ
 نے جمعہ کے دن بتانے کا وعدہ کیا تھا۔
 جونہی ٹچر رانیہ کلاس میں داخل ہوئیں، بچوں
 نے احترام سے کھڑے ہو کر با آواز بلند سلام کیا۔

کریں۔ سب بچوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا، ان شاء اللہ۔

اتنے میں چھٹی کی گھنٹی بجی، تو بچے ٹچر رانیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گھروں کو چل دیئے۔

حمزہ ٹچر کی بتائی تمام باتیں سوچتا ہوا گھر کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ بازار میں سے گزرتے ہوئے سڑک پار کرنے لگا تو اچانک اس کی نگاہ ایک بوڑھی نابینا عورت پر پڑی۔

اس کے ہاتھ، پاؤں اس قدر زخمی تھے کہ ان سے خون بہہ رہا تھا۔ اسی وجہ سے اس بیچاری کو کوئی سڑک پار نہیں کروا رہا تھا۔

حمزہ کے ذہن میں ٹچر رانیہ کی باتیں گونج رہی تھیں۔ اور اگلے چند لمحوں میں ہی وہ بوڑھی اماں کا زخمی ہاتھ تھامے، انہیں سڑک پار کروا رہا تھا۔ سڑک کے اس پار وین کا انتظار کرتے ہوئے ٹچر رانیہ نے یہ منظر دیکھا۔ بے اختیار ان کی آنکھیں نم ہو گئیں اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ بچوں کو ایثار کا درس دینے میں کامیاب رہیں۔

مرحمتیہ طاہر

☆.....☆.....☆

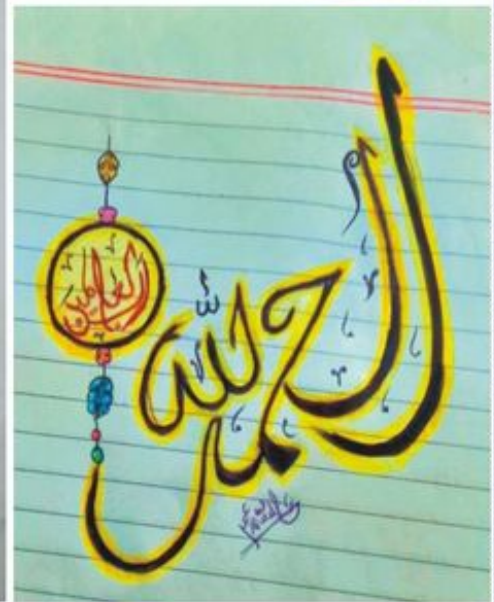
تمام بچے مبہوت ہو کر ٹچر کی بات سن رہے تھے۔ انہوں نے کرسی پر بیٹھ کر چند گھونٹ پانی پیا اور بات کا دوبارہ آغاز کرتے ہوئے کہا:

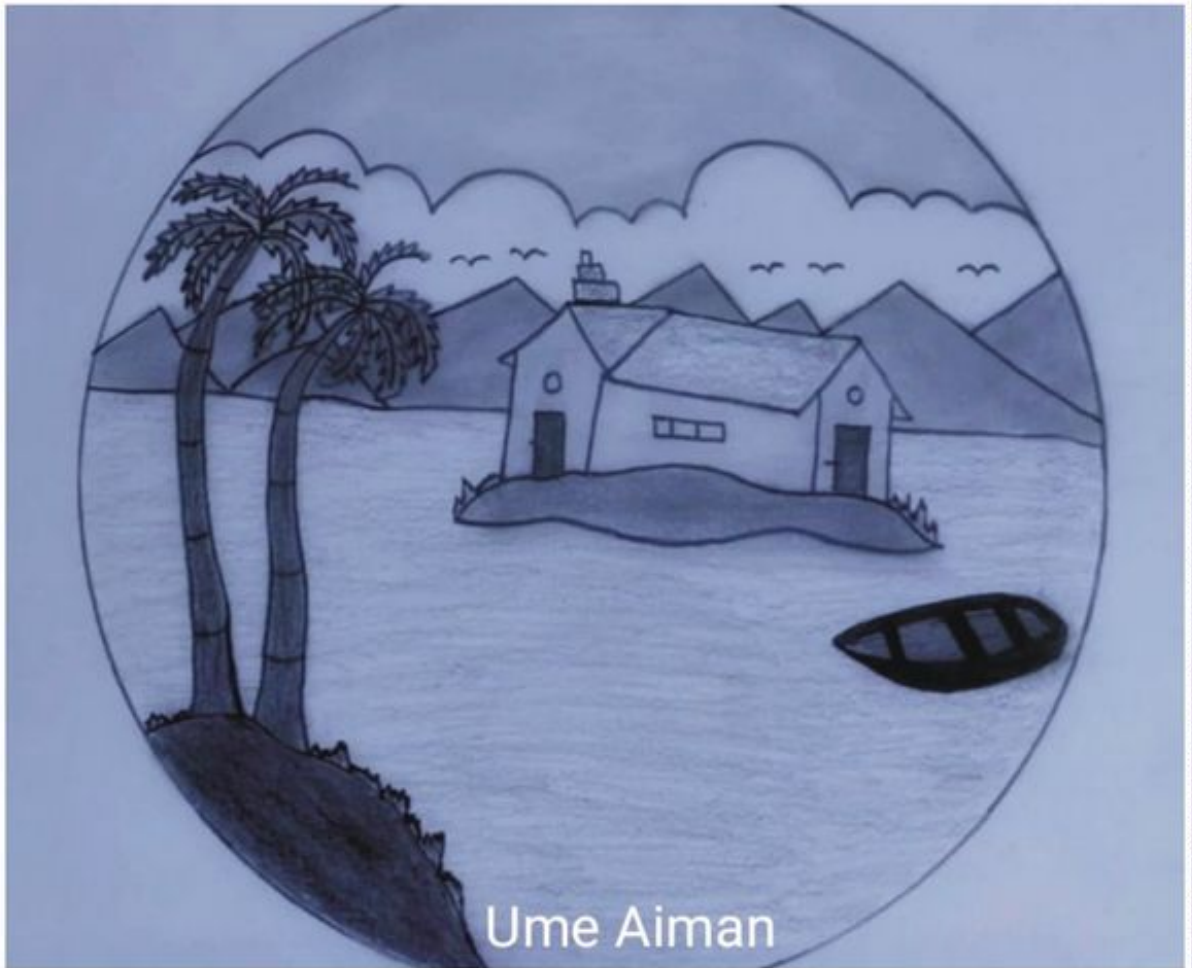
اسلامی سال کے شوال کے مہینے کی پہلی تاریخ کو عید الفطر ہوتی ہے۔ اسے یومِ رحمۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس دن اللہ رب العزت اپنے بندوں پر خصوصی رحمت فرماتے ہیں۔

عزیز طلباء! میں آخر میں یہ کہنا چاہوں گی کہ عید الفطر درحقیقت عید ایثار ہے اور آپ کو پتہ ہے ایثار کے کیا معنی ہیں؟ چند بچوں نے نفی میں سر ہلایا۔ جبکہ باقی خاموش رہے۔ ٹچر رانیہ نے بچوں کو سمجھاتے ہوئے کہا:

ایثار کا معنی قربانی ہے۔ یعنی اپنی خواہشات پر دوسروں کی خواہشات کو ترجیح دینا ہی ایثار ہے۔ اس لیے اس دن خوشیاں بانٹیں، تحفے تحائف دیں اور آپس کی سب تلخیاں مٹا دیں۔

کیونکہ یہی حقیقی عید ہے۔ اور آخر میں میں بس اتنا ہی کہوں گی کہ جب کبھی آپ کو ایثار کا موقع ملے، آپ کبھی پیچھے نہ ہٹیں۔ چاہے اپنی خواہشات کو پس پشت ڈالنا پڑے۔ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کی مخلوق کے ساتھ ایثار کا مظاہرہ







عائشہ بنت نثار احمد
عائشہ صدیقہ صادق آباد
بسم اللہ

وَالشَّكْرُ لِلشَّكْرِينَ

اور جو لوگ شکر ادا کریں ان کو
ہم جلد ہی ان کا اجر عطا کریں گے

gishaumar

انتخاب:

محمد مسلمہ



باطل کے منصوبے

اب کہ دشمن کی تگ و دو ہے میرے جانبازو!
ہم کو اس جنگ کا ایندھن ہی بنائے رکھنا
کہہ کے ملت کے نگہبانوں کو یوں دہشت گرد
بزم عالم میں یہی خاک اڑائے رکھنا

سازش کفر ہے اسلام کے فرزندوں پہ
آگ و بارود سے ہر روز ستم ڈھائے رکھنا
ہے ستم گر کی یہ کوشش کہ مسلمان کے لیے
رن و دار سے مقتل کو سجائے رکھنا

قوم مسلم کے حدی خوانوں کو یوں کہہ کر کے شہید
خیر امت کا سرِ فخر جھکائے رکھنا
یہ تو باطل کے بڑی دیر کے منصوبے ہیں
اہل ایمان کو مسائل ہی میں الجھائے رکھنا

چھین کر علم و معیشت کے وسائل کی کلید
جہل و غربت کے سدا ہم ہی پہ سائے رکھنا
سارے عالم پہ حکومت کی غرض سے انور
قوت و غیرت مسلم کو دبائے رکھنا